انٹرنیٹ ایڈیشن

مجلہ

افکارِ قاسمی

اکتوبر-دسمبر ۲۰۱۸ء

زیرنگرانی

مولانا کلیم احمد قاسمی



مدیراعزازی

ناصرالدین مظاہری

پیشکش

الغزالی اُردو فورم www.algazali.org



وفیات الاعیان نمبر

مجلہ

افکارِ قاسمی

اکتوبر۔دسمبر ۲۰۱۸ء

زیرِ سرپرستی
مولانا مبارک علی مظاہری

زیرِ نگرانی
مولانا کلیم احمد قاسمی



مدیرِ اعزازی
ناصر الدین مظاہری

معاون مدیر
محمد داود الرحمن علی

- دینی، علمی، اصلاحی، کمپوز شدہ مضامین قابل قبول ہوں گے۔
- نزاعی اور اختلافی نیز سیاسی مضامین شائع نہیں ہوں گے۔
- مضمون نگاروں کی تمام آراء سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔
- تمام کمپوز شدہ مضامین صرف بذریعہ ای میل ارسال کریں۔
- ہر شمارہ ڈاؤنلوڈ کر کے محفوظ کر لیں ای میل سے نہیں بھیجا جائے گا۔

پیشکش

الغزالی اُردو فورم www.algazali.org

آئینۂ مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اے باپ! ہم شرمندہ ہیں!

(اداریہ) ناصرالدین مظاہری

محرم الحرام کی پندرہ تاریخ تھی، میں اپنی درسگاہ میں بیٹھا بچوں کو پڑھا رہا تھا، دوران سبق کسی سے بات کرنا اخلاقاً بھی غلط ہے، ایک صاحب حاضر ہوئے، بجھا بجھا چہرہ، اڑی اڑی رنگت، فکر اور اضطراب کی پرچھائیاں ان کے چہرے بشرے سے ہویدا، سلام کرکے ہاتھ بڑھا دیا، میں نے سلام کا جواب تو دے دیا مگر سبق کی وجہ سے ناگواری کے باوجود بھی مصافحہ کیا اور پڑھانے میں مشغول ہوگیا، نو وارد نے اجازت طلب انداز میں کہا کہ میں دو باتیں کرنا چاہتا ہوں؟ میں نے کہا سبق کے بعد کرنا اور جلدی ہو تو دفتر میں چلے جاؤ وہاں حضرت ناظم صاحب بھی ہیں اور دیگر حضرات بھی موجود ہیں ان سے بات کرلیجئے! انہوں نے کہا: صرف ایک منٹ میں اپنی بات پوری کرلوں گا، میں نے بادل ناخواستہ کہا کہ کہئے: انہوں نے کہنا شروع کیا اور میری حیرت وتعجب سے آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

''میں رام پور منہاران کا رہنے والا ہوں، سرکاری نوکری ہے، میں نے ایک دیندار خاتون سے شادی کی، زندگی میں بہت پیسے کمائے، اچھا گھر بنایا، رام پور میں میرے کئی پلاٹ ہیں، لاکھوں روپے میرے بینک اکاؤنٹ میں جمع ہیں، مالی اعتبار سے میں اللہ کے فضل سے بہت خوش حال ہوں، اللہ نے ایک بیٹا بھی دیا، اس کی معیاری عصری تعلیم پر ہم دونوں نے خوب روپے خرچ کئے، تعلیم مکمل ہوگئی تو ایک اچھے گھرانے سے شادی کردی، میرے بیٹے نے جو ہم دونوں کی آنکھ کا تارا، ہمارے بڑھاپے کا سہارا اور ہمارے جگر کا ٹکڑا تھا اس نے اپنی اہلیہ کو لے کر الگ گھر بنالیا اور ہم دونوں جیتے جی گویا مرگئے، میری بیوی اکلوتے بیٹے کی اس جدائی کو برداشت نہ کرسکی اور ملک عدم کو سدھار گئی، میں دنیا میں اکیلا دھکے کھانے کے لئے رہ گیا، اب میری حالت یہ ہے کہ میں پورا دن سہارنپور میں سرکاری نوکری کرتا ہوں رات تھک ہار کر جب گھر جاتا ہوں تو اتنا بڑا گھر مجھے کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے، میرا بیٹا کبھی مجھے ملنے نہیں آتا، فون نہیں کرتا، خیر خیریت نہیں بتاتا، گویا میں اس کا باپ ہوں ہی نہیں؟

نو وارد کی باتیں اتنی جگر پاش اور دل خراش تھیں، اس کی آنکھوں سے بہتے آنسو اس تیزی سے رواں دواں تھے، بات بھی مسلسل جاری وساری تھی اور قریب تھا کہ میں بھی اپنی غمناک کیفیت اور نمناک حالت پر قابو نہ پا سکوں اور رونے میں اس کا ساتھ دینے لگوں، مگر میں نے خود کو سنبھالا اور پوچھا: نماز روزہ کے پابند ہو؟ نو وارد نے کہا:

''بالکل جناب! میں کوئی نماز نہیں چھوڑتا اور نماز چھوڑنے کا کوئی حیلہ اور بہانا بھی نہیں ہے، کھانا ہوٹل سے کھاتا ہوں، ناشتہ جہاں موقع مل گیا کرلیا، نہیں ملا نہیں کیا، کوئی شوق نہیں، کوئی ذوق نہیں، اور سچ پوچھو تو ایسی عبرتناک زندگی والا صرف اور صرف موت کا ہی منتظر ہوتا ہے، اس لئے میں ذکر واذکار بھی کرتا ہوں، قاری عاشق الٰہی اسعدی میرے پیر ومرشد تھے''۔

میں نے کہا آپ کی اس المناک کہانی سنانے کا کیا مقصد ہے؟ بولے:

''میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ میرا بیٹا بھلے ہی میرے پاس نہ رہے لیکن بول چال تو بند نہ رکھے، آنا جانا تو جاری رکھے، یہ اتنی بڑی جائداد، کئی عدد پلاٹ، بینک بیلنس ان سب کا وارث وہی تو ہے کم ازکم کبھی کبھی اپنا چہرہ دکھاتے تو میرے بے قرار دل کو قرار آجائے، بس میں یہ چاہتا ہوں اور ایک مسئلہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ میں اپنی طرف سے کہیں مسجد بنوادوں تاکہ کم ازکم میرے دل کا کچھ نہ کچھ بوجھ تو ہلکا ہوگا، کل جب اللہ کے سامنے حاضری ہوگی تو میری بنوائی ہوئی مسجد کے بدلے جنت میں اپنا گھر پاکر میں اپنی مرحومہ کے ساتھ آخرت میں ہی مزے اڑا سکوں گا؟۔

باتیں تو اور بھی ہیں جو لکھی جاسکتی ہیں اور عبرت آمیز وسبق آموز ہیں لیکن مقصد اس واقعہ سے یہ بتانا ہے کہ خدارا اپنی اولاد کو دین کی کم ازکم اتنی تعلیم تو دلائیں کہ وہ ماں باپ کے حقوق کو پہچان سکے۔

حضرت مولانا عبدالشکور دین پوریؒ کا ایک سچا واقعہ یاد آرہا ہے، فرمایا:

''میں چیچہ وطنی سے تقریر کرکے جارہا تھا، کچھ ساتھی ساتھ تھے، ایک آدمی کو دیکھا چارپائی پر بیٹھا تھا، مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں، عجیب حالت تھی؛ چہرہ زرد تھا، گردوغبار سے اٹا ہوا، نہ اس کا کوئی ہمدرد نہ غم خوار، مجھے سمجھ نہ آئی یہ کون ہے، میں اس کے قریب گیا تو کہنے لگا" او مولانا! ادھر تشریف لائیں۔

پیلے دانت، ہڈیوں کا ڈھانچہ، کمزور سانچہ، اس کے پاؤں پر ایک کپڑا پڑا ہوا تھا، اس نے کہا مجھے عبرت سے دیکھو، ابھی آپ کی تقریر کی آواز یہاں آرہی تھی اور میں سن رہا تھا، کہنے لگا یہاں میرا مکان تھا، دوکان تھی، کاروبار تھا، میں کون تھا، میں ایک شیر جیسا انسان تھا، لیکن اب بھیک مانگتا ہوں اور اب کوئی بھیک بھی نہیں دیتا، بلکہ مجھ پر لوگ لعنت کرتے ہیں، کہنے لگا غور سے سننا، عبرت کی بات بتا رہا ہوں، اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور کافی دیر تک روتا رہا، کہنے لگا میں وہ بدنصیب ہوں جس نے اپنی

ماں کے چہرے پر جوتے مارے تھے۔ کہنے لگا ایک رات اپنے بدکردار غنڈے دوستوں کے ساتھ سینما دیکھنے گیا واپسی پر گھر پہنچ کر ماں سے کھانا مانگا، تو ماں نے شرم دلائی کہ ساری رات آوارہ گردی کرتا ہے کبھی پولیس پکڑتی ہے، نہ تمہارا باپ ایسا تھا نہ دادا اور نہ یہ تیری ماں ایسی ہے، تو کن غنڈوں میں پھنس گیا ہے، اس نے اپنی ممتا کا غصہ اتارا مجھ پر۔ بس مجھے غصہ آیا اور جوتا لے کر ماں کو مارنے لگا، اس میں دو جوتے اس کے منہ پر لگے، ماں کے منہ سے اتنی آواز سنی، اے عرش والے! اسی لیے بچہ دیا تھا کہ آج میں جوتے کھا رہی ہوں، اے رب مجھے اپنے پاس بلا لے، اب مزید جوتے نہیں کھا سکتی، اے رب جس نے ماں کے منہ پر جوتے مارے اس کتے کو تو دنیا اور آخرت میں برباد کر دے، پھر کہنے لگا اس وقت تو میں ماں کی اِن باتوں کو سن کر سو گیا، اسی رات میرے پاؤں میں ایک درد اٹھا، پاؤں لرزنے لگا، صبح تک پاؤں سوج کر بہت موٹا ہو گیا، ڈاکٹروں کو دکھایا لاہور گیا، ملتان نشتر ہسپتال گیا، آخر پاؤں کاٹنا پڑا اور پھر مسلسل پاؤں کٹتے گئے...... کٹتے گئے!

پھر اس نے اپنے پاؤں کے حصے سے کپڑا اٹھایا بہت پیپ بہہ رہی تھی، کہنے لگا یہ زخم نہیں ماں کی بدعا ہے، اللہ کا قہر ہوا مجھ پر، ماں تو رو رو کر ایک ہفتے میں چل بسی، جائداد گئی، مال گیا، بیوی گئی، بیٹے گئے، 4 سال سے یہاں پڑا ہوں، پیپ مسلسل بہہ رہی ہے، ایسا لگتا ہے کہ ہر وقت کتے کاٹ رہے ہیں، نیند نہیں آتی، گزرنے والے کہتے ہیں یہ وہ لعنتی ہے جس نے اپنی ماں کو جوتوں سے مارا ہے، کتے کی طرح میرے سامنے روٹی پھینکنے ہیں، بیٹوں کو بلاتا ہوں تو نہیں آتے، ابا ابا نہیں کہتے، کہنے لگا مولانا مجھ سے میرا روٹھا رب راضی کرا دو، ماں کے ایک لفظ نے اللہ کے قہر سے مجھے برباد کر دیا۔ اتنا کہہ کر وہ گر پڑا اور روتا رہا، پھر اس نے آنکھ نہ کھولی، مولانا فرماتے ہیں: خدا کی قسم یہ منظر میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ (خطبات دین پوری)

ہمارے بڑوں کا کہنا ہے اور بڑے ہمیشہ تجربہ کی کہتے ہیں:

اقتربوا من ابنائکم...... وشاوروھم...... وحاوروھم...... واکسبوھم...... قبل ان تخسروھم...... اپنے بچوں کے قریب رہا کرو...... ان سے مشورے کیا کرو...... تبادلہ خیال کیا کرو...... اُن کے دل جیت لو...... قبل اس کے کہ تم انہیں ہمیشہ کے لئے کھو دو......

والدین کی سب سے اول اور بڑی ذمے داری، بچوں کی صحیح تعلیم و تربیت ہوتی ہے۔ بچپن اور لڑکپن کا زمانہ بے شعوری و بے خیالی کا دور ہوتا ہے۔

اس وقت بچے بڑوں کے رحم و کرم کے محتاج ہوتے ہیں۔ بچے انہی کو اپنا محسن سمجھتے ہیں جو انہیں اپنے قریب رکھتے ہیں، ان سے پیار کرتے ہیں۔

بہترین تربیت جو قربت وانسیت سے ممکن ہے، ڈانٹ ڈپٹ اور مار دھاڑ سے ہرگز ویسی ممکن ہی نہیں۔

سیرت النبی میں بچوں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسنِ سلوک کا جائزہ لیں تو آپ بہترین مربی اور بچوں پر رحم کرنے والے نظر آئیں گے۔

آپ ﷺ نے بچوں کے ساتھ نرمی، محبت، عاطفت، ملاطفت کا درس نہ صرف اپنی تعلیمات ہی کے ذریعہ دیا، بلکہ اپنے عمل سے بھی اس کا ثبوت پیش فرمایا۔

آپ ﷺ نے بچوں کے بچپنے کا ہر لحاظ سے خیال رکھا۔ اپنی تمام تر رفعت شان کے باوجود ان کے ساتھ کھیلے بھی اور کبھی ان پر سختی نہیں فرمائی۔

اپنے پیارے نواسوں سے آپ ﷺ کی محبت وشفقت کے کئی واقعات ہم سنتے پڑھتے رہتے ہیں کہ کیسے وہ عین نماز کی حالت میں بھی لاڈ سے آپ ﷺ پر سوار ہوجاتے تھے اور آپ ﷺ ناراض تو کیا ہوتے، ان کے لیے سجدے کو طویل فرمالیتے۔

ایک بار آپ ﷺ حضرت حسنؓ کو چوم رہے تھے۔ ایک دیہاتی نے اعتراض کرتے ہوئے حیرت کا اظہار کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

اگر اللہ نے تیرے دل سے رحمت کو نکال دیا تو میں کیا کرسکتا ہوں؟

اسی طرح ایک موقع پر جب ایک صحابی نے حیرت کا اظہار کیا تو فرمایا کہ جو شخص رحم نہیں کرتا، اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا۔

مسلمان تو مسلمان، حضور نے تو کفار کے بچوں کے ساتھ بھی نرمی کی تلقین فرمائی۔ ایک یہودی کا لڑکا آپ علیہ السلام کی خدمت میں آیا کرتا تھا۔ وہ ایک دفعہ بیمار ہوگیا۔ آپ ﷺ از خود تشریف لے جا کر اس کی عیادت فرمائی۔ اس بچے کے سرہانے بیٹھے، پھر اس بچے سے فرمایا: اسلام قبول کرو، اس بچے نے اپنے والد پر نظر ڈالی۔ والد نے بھی کہا: ابوالقاسم ﷺ کی اطاعت کرو، لہٰذا وہ بچہ مسلمان ہوگیا۔ آپ ﷺ یہ کہتے ہوئے نکلے:

تمام تعریفیں اسی اللہ کے لئے ہیں جس نے اس کو آگ سے بچالیا۔

آج اس اسوہ حسنہ کی روشنی میں ہم اپنے سلوک کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ کفار اور غیر کے بچے تو الگ، ہم اپنے بچوں، اپنے خون کے ساتھ کیسا بیگانے کا سا سلوک کرتے ہیں؟

باپ کی درشت مزاجی کی وجہ سے بچہ پڑوسی انکل کے زیادہ قریب، باپ سے دور ہوتا ہے...... بات

بات پہ مارنا، چلانا، برا بھلا کہنا بچوں کو نہ صرف ڈھیٹ بنا دیتا ہے بلکہ ان کو ماں باپ سے دور بھی کر دیتا ہے......پھر ہوتا یہ ہے کہ بچے اس جذباتی خلا کو باہر والوں سے پر کرنے کی کوشش کرتے ہیں......باہر پھرتے سفاک درندے ایسے ہی معصوموں کا شکار کرنے گھات لگائے بیٹھے ہوتے ہیں......سو وہ انہیں جھوٹی محبت کے جال میں پھانس کر ان کا جذباتی وجنسی استحصال تک کر بیٹھتے ہیں۔

گھر میں خود بچے سے متعلق امور میں بھی اس سے کوئی مشورہ نہیں ہوتا، نہ اس سے رائے لی جاتی ہے اور نہ اس کی پسند ناپسند کا خیال رکھا جاتا ہے...... ہر وقت، ہر بات میں بس اپنی مرضی چلائی بلکہ باقاعدہ ٹھونسی اور تھوپی جاتی ہے......آہستہ آہستہ والدین اور بچوں کے درمیان ایک ایسی اجنبیت کی دیوار کھڑی ہونے لگتی ہے کہ پھر بچہ کسی جذباتی کشمکش کا شکار ہو جائے، اس کے ساتھ کچھ غلط ہونے لگے تو وہ چاہتے ہوئے بھی اپنی بات والدین سے شیئر نہیں کر پاتا......اور یوں یہ صورت حال کبھی خدانخواستہ ناقابل تلافی نقصان کا باعث بن جاتی ہے۔

یاد رکھیے......انگلی پکڑ کر چلانے والے ہاتھ جب ہاتھ چھوڑ دیں تو پھر جانے کون کون انگلیاں پکڑتا ہے اور کس کس سمت لے جاتا ہے......اپنے احساسات کو جھنجھوڑیئے اپنی غفلت کو دور کیجیے...... مستقبل کے اِن ہونہار نونہالوں کو اپنے سے قریب کیجیے، ان سے مشورے کیجیے، انہیں اہمیت کا احساس دلائیے......گاہے ان کے ساتھ تبادلہ خیال کیجیے اور ان کے دل جیت لیجیے......قبل اس کے کہ آپ انہیں ہمیشہ کے لئے کھو دیں...!

جہاں تک بات ماں کی محبت کی ہے تو اس بابت تو تب سے لکھا جا رہا ہے جب سے حضرت انسان نے لکھنا سیکھا تھا پر باپ ایک ایسی ذات ہے جس کی بابت شاید باپ نے بھی کبھی کھل کر نہیں لکھا اور بھلا لکھ بھی کیسے سکتا ہے کہ باپ کی محبت کا ہر رنگ نرالا اور مختلف ہے، ماں کی محبت تو بچے کی پیدائش سے لیکر اسکی آخری عمر تک ایک سی ہی رہتی ہے یعنی اپنے بچے کی ہر برائی کو پس پردہ ڈال کر اسے چاہتے رہنا۔

بچپن میں بچہ اگر مٹی کھائے تو اس پر پردہ ڈالتی ہے اور باپ سے بچاتی ہے، نوجوانی میں بچے کی پڑھائی کا نتیجہ آئے تو اس رپورٹ کارڈ کو باپ سے چھپاتی ہے اور اپنے بچے کو بچاتی ہے، جوانی میں بچے کا دیر سے گھر آنا باپ سے چھپاتی ہے اور اپنے بچے کو بچاتی ہے۔ٹھیک اسی طرح جیسے جیسے بچہ بڑا اور اسکے "جرائم" بڑھتے جاتے ہیں ویسے ویسے ماں اپنے پردے کا دامن پھیلاتی چلی جاتی ہے،

اسکے برعکس ''باپ'' ایک ایسی ہستی ہے جو اپنی اولاد کو بے پناہ چاہنے کے باوجود اس پر صرف اسلئے

ہاتھ اٹھاتا ہے کہ کہیں بچہ خود کو بڑے نقصان میں مبتلا نہ کر بیٹھے، اسکی پڑھائی پر سختی برتتا ہے کہ کہیں اس کا بچہ کم علم ہونے کے باعث کسی دوسرے کا محتاج نہ بن کر رہ جائے، بچے کا رات دیر سے گھر آنا اسلئے کھٹکتا ہے کہ کہیں کسی بری لت میں مبتلا ہو کر بچہ اپنی صحت اور مستقبل کو خراب نہ کر بیٹھے۔

یعنی بچے کی پیدائش سے لیکر قبر تک باپ کی زندگی کا محور اس کا بچہ اور اسکا مستقبل ہی رہتا ہے۔ جہاں ماں کی محبت اسکی آنکھوں سے اور عمل سے ہر وقت عیاں ہوتی ہے وہیں باپ کی محبت کا خزانہ سات پردوں میں چھپا رہتا ہے۔غصہ، پابندیاں، ڈانٹ، مار، سختی یہ سب وہ پردے ہیں جن میں باپ اپنی محبتوں کو چھپا کر رکھتا ہے کہ بھلے اسکی اولاد اسے غلط سمجھے پر وہ یہ سب پردے قائم رکھتا ہے کہ اسکی اولاد انہی پردوں کی بدولت کامیابی کی سیڑھیاں چڑھنا شروع کرتی ہے۔

باپ جب اپنی اولاد پر جائز غصہ کرتا ہے، مناسب سختیاں کرتا ہے تو اولاد اپنے باپ کو دنیا کا سب سے بڑا ظالم تصور کرتی ہے جو نہ تو دوستوں کے ساتھ رات گئے تک بیٹھنے دیتا ہے اور نہ ہی جیب خرچ اتنا زیادہ دیتا ہے کہ اولاد فضول عیاشیاں کر سکے۔

لیکن یہی اولاد جوان ہو کر جب خود باپ کے مرتبہ پر فائز ہوتی ہے اور اپنے اپنے بچپن کے ساتھیوں اور دوستوں کو نشے، جوے، سٹے اور دیگر خرافات میں مبتلا دیکھتی ہے تو تشکر کے آنسو اس کی آنکھوں میں تیرنے لگتے ہیں اور تعریف کے جملے اس کی زبان پر لرزنے لگتے ہیں کہ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے ہمارے والد نے ہم پر سختیاں برتیں جس کی بدولت آج کسی بھی طرح کے نشے اور بری لت سے خود کو بچائے رکھا ہے، اور آج ہم اُس مقام پر کھڑے ہیں کہ اپنے والدین کا سر فخر سے بلند رکھ سکیں۔

پر کیا آپکو معلوم ہے کہ باپ سانسیں لیتے ہوئے جیتے جی بھی مر جاتے ہیں، جیسے جیسے اولاد کا اختیار بڑھتا اور والد کا اختیار گھٹتا جاتا ہے ویسے ویسے ہی باپ ''مرنا'' شروع ہو جاتا ہے، جب بچہ طاقتور جوان ہونے لگتا ہے تو باپ کا ہاتھ بعض اوقات اس خوف سے بھی اٹھنے سے رک جاتا ہے کہ کہیں بیٹے نے بھی پلٹ کر جواب دے دیا تو اس قیامت کو میں کیسے سہہ سکوں گا؟

جب بچے اپنے فیصلے خود لینے لگیں اور فیصلے لینے کے بعد باپ کو آگاہ کر کے ''حجت'' پوری کی جانے لگے تو بوڑھا شخص تو زندہ رہتا ہے پر اسکے اندر کا ''باپ'' مرنا شروع ہو جاتا ہے۔

باپ اس وقت تک زندہ ہے جب تک اولاد پر اسکا حق قائم ہے، جس اولاد سے اس نے اتنی محبت کی کہ اپنے دل پر پتھر رکھ کر اسے تھپڑ بھی مارا، اولاد کے آنسو بھلے کلیجہ چیر رہے ہوں پھر بھی اسلئے ڈانٹا کہ

کہیں ناسمجھ اولاد خود کو بڑی تکلیف میں مبتلا نہ کر بیٹھے۔

نیک اور فرمانبردار اولاد ہمیشہ یہی چاہتی ہے کہ اولاد کے بڑھنے اور جوان ہونے سے والدصاحب احساس کمتری کا شکار نہ ہونے پائیں، جس طرح والدصاحب کا ہماری زندگی پر ہمیشہ اختیار رہا ہے لہٰذا عمر کے اِس حصّے میں بھی ان کی کوشش ہوتی ہے کہ ابو کو کبھی احساس نہ ہو کہ اب ہم ''بڑے'' ہوگئے ہیں یا ان کی اہمیت گھٹ چکی ہے، لہٰذا پیسے ہونے کے باوجود انھیں اپنے ہر کام کے لئے والدصاحب سے پیسے مانگنا اچھا لگتا ہے ، رات اگر کسی پروگرام سے واپسی پر دیر ہوجانے کا خدشہ ہو تو فون کر کے بار بار بتانا ضروری سمجھتی ہے تاکہ والدصاحب کو فکر نہ ہو پھر واپسی کے بعد سب سے پہلے ان ہی کے پاس جا کر سلام کر کے گویا اپنی آمد اور حاضری درج کراتی ہے کیونکہ باپ تو بہر حال باپ ہے جس کو کوئی بدل نہیں ہے۔

باپ تو وہ ہستی ہے جو روڈ کراس کرتے ہوئے اپنی جوان اولاد کا ہاتھ عادتاً ہی سہی ، بے خیالی میں ہی سہی پکڑ لیتی ہے کیونکہ اولاد تو اولاد ہوتی ہے کتنی ہی بڑی ہو جائے۔

باپ کی محبت اولاد سے ماسوائے اسکے اور کچھ نہیں مانگتی کہ ''باپ'' کو زندہ رکھا جائے ، پھر چاہے وہ چارپائی پر پڑا کوئی بہت ہی بیمار اور کمزور انسان ہی کیوں نہ ہو، اگر اس کے اندر کا ''باپ'' زندہ ہے تو یقین جانئے اسے زندگی میں اور کسی شے کی خواہش اور ضرورت نہیں ہے۔

اپنے بوڑھے باپ کی قدران خاندانی عورتوں سے پوچھو جو گھر میں اپنی جوان اولاد، شوہر اور گھر کے تمام مردوں کی عدم موجودگی میں بستر پر پڑے ''باپ'' کے وجود سے خود کو مطمئن اور پرامن تصور کرتی ہیں۔

باپ کی حیثیت اس اولاد سے پوچھو جن کے والدین ملک عدم سدھار چکے ہوں اور آپ زندگی کے کسی حساس مسئلہ میں کسی جہاں دیدہ شخصیت کے مشورے کے طالب ہوں!

خدارا! اگر آپ کے والد حیات ہیں تو ان کے اندر کا ''باپ'' زندہ رکھئے یہ اس ''بوڑھے شخص'' کا آپ پر حق بھی ہے اور قرض بھی ہے!! کیونکہ آنے والا کل پورے طور پر منظر کو بدل کر رکھ دے گا، سوچئے! آج جس ٹوٹی چٹائی اور پرانے بستر پر آپ کے والدصاحب موجود ہیں جنھوں نے آپ کے لئے دن کا چین اور رات کی راحت سب کچھ قربان کر کے اچھا گھر، اچھی تعلیم اور اچھی جائداد چھوڑی ہے......اُن کے جانے کے بعد وہی چارپائی آپ کی منتظر ہوگی اور آپ کے اَریب قریب آپ کے جوان سال صاحب زادگان کھڑے ہوں گے۔

ازواجِ مطہراتؓ: خواتین کی دینی درسگاہیں

قاری نسیم احمد منگلوری

تاریخ شاہد ہے کہ جب جب ضرورت پڑی عاشقان مصطفیٰ ﷺ نے آپ ﷺ کی عزت وناموس کی خاطر اپنی جانوں کی بازی لگادی۔ تاریخ تو یہاں تک شہادت دیتی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا جنگ احد میں ایک دانت شہید ہوا، حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے سارے دانت توڑ دیئے، اللہ اللہ کیسا عشق تھا۔

حضرت نبی کریم ﷺ کا ایک دانت کیا شہید ہوا، دیوانے نے یہ خیال کرکے کہ نہ معلوم کون سا دانت شہید ہوا، یکے بعد دیگرے سارے ہی دانت توڑ دیئے، جو عشق کے اس مقام پر فائز ہوئے۔سوچئے توسہی! وہ دشمن رسول ﷺ کو کیسے آزاد چھوڑ سکتے ہیں۔

حیف صد حیف کہ آج ہمارے پاس اتنا وقت ہی نہیں کہ ہم آقا ﷺ کی عزت وناموس کے لئے کچھ کرگزرنا تو دور، اس جیسے اہم اور حساس موضوع کے چیدہ چیدہ نکات کو یاد کرنا تو دور، اس موضوع پر گفتگو بھی نہیں کرتے۔ یہ ہماری بے حسی نہیں تو اور کیا ہے، دین سے دوری نہیں تو کیا ہے۔اسوۂ حسنہ سے نفرت نہیں تو اور کیا ہے۔آج تاریخ پھر سے اپنے آپ کو دوہرا رہی ہے، آج پھر سے کچھ ملعون صفت انسانوں نے آقا ﷺ کی عزت وناموس پر انگلیاں اٹھانا شروع کردی ہیں۔ اس وقت کچھ لوگوں کی زباں پر سب سے زیادہ موضوع بحث حضور اکرم ﷺ کی شادیاں ہیں، یعنی کہ حضور اکرم ﷺ کی شادیوں کو نشانہ بنایا جارہا ہے۔اس میں تو کوئی شک نہیں کی حضور اکرم ﷺ نے گیارہ شادیاں کی ہیں۔ یہ بتانا اور مان لینا بظاہر بڑا ہی سہل اور آسان ہے۔جبکہ ان سب کے پس پشت اللہ رب العزت کی بڑی مصلحتیں اور حکمتیں پوشیدہ ہیں۔جنھیں کوئی بھی جاننے کی کوشش نہیں کرتا، جو کہ ہر کس وناکس کی سمجھ سے بالاتر بھی ہے۔

اسلامی تاریخ اور احادیث کے مطالعے سے یہ بات عیاں ہوتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے عالم شباب میں، 25 سال کی عمر میں ایک سن رسیدہ بیوہ خاتون حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی۔جس وقت آقا ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی، اس وقت حضرت خدیجہؓ کی عمر 40 سال تھی، اور جب تک حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا زندہ رہیں آپ نے دوسری شادی نہیں کی۔جبکہ یہ بھی تلخ حقیقت ہے کہ اگر کسی شخص میں نفسانی خواہشات کا غلبہ ہو تو وہ عالمِ شباب کے 25 سال تک ایک بیوہ

خاتون کے ساتھ گزارنے پر قطعی اکتفا نہیں کرتا، مگر 50 سال کی عمر تک آپ ﷺ نے ایک بیوی پر ہی قناعت کی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد مختلف وجوہات کی بناء پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کیئے۔ آج اگر نوجوانوں سے سوال کیا جائے کہ ہے کوئی نوجوان! جو 40 سال کی بیوہ سے شادی کرے، تو لاکھوں میں کوئی ایک آدھ بندۂ مومن نکلے گا، بلکہ اکثر کا جواب نفی میں ہی ملے گا۔ لبوں پہ خاموشی کے تالے لگ جائیں گے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو گیارہ شادیاں کی ہیں سوائے ایک کے، باقی سب بیوگان تھیں۔ یہ بھی تلخ حقیقت ہے کہ بیوگان سے شادی کرنے کی ایک اہم وجہ یہ بھی ہے کہ جنگ احد میں ستر صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین شہید ہوئے۔ نصف سے زیادہ گھرانے بے آسرا ہوگئے، بیوگان اور یتیموں کا کوئی سہارا نہ رہا۔ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو بیوگان سے شادی کرنے کو کہا، لوگوں کو ترغیب دینے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا، حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے مختلف اوقات میں نکاح کیے۔ آپ ﷺ کو دیکھا دیکھی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے بیوگان سے شادیاں کیں، دوسروں کو ترغیب دینے کیلئے آقا ﷺ نے خود پریکٹیکل کر کے دکھایا، جس کی وجہ سے بے آسرا گھرانے آباد ہو گئے۔ یتیموں کو دست شفقت مل گیا، بیواؤں کو سہارا مل گیا۔

اسی طرح ہم جب تاریخ عرب کے صفحات الٹتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ عربوں کا اس زمانے میں دستور تھا کہ جو شخص ان کا داماد بن جاتا، اس کے خلاف جنگ کرنا اپنی عزت کے خلاف جنگ کرنا تسلیم کیا جاتا تھا، عربی باشندے اسے اپنی توہین سمجھتے تھے۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ اسلام لانے سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شدید ترین مخالف تھا۔ مگر جب ان کی بیٹی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے حضور ﷺ کا نکاح ہوا تو یہ دشمنی کم ہوگئی۔ واقعہ یہ ہے کہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا شروع میں مسلمان ہو کر اپنے مسلمان شوہر کے ساتھ حبشہ ہجرت کر گئیں، وہاں ان کا خاوند نصرانی ہوگیا۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے ان سے علیحدگی اختیار کی اور بہت مشکل سے گھر پہنچیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دل جوئی فرمائی اور بادشاہِ حبشہ کے ذریعے ان سے نکاح کیا۔

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کا والد قبیلہ معطلق کا سردار تھا۔ یہ قبیلہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان رہتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قبیلہ سے جہاد کیا، ان کا سردار مارا گیا۔ حضرت جویریہ

رضی اللہ عنہا قید ہو کر ایک صحابی رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے مشورہ کر کے سردار کی بیٹی کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کرا دیا اور اس نکاح کی برکت سے اس قبیلہ کے سو گھرانے آزاد ہوئے اور سب مسلمان ہو گئے۔

تاریخ خیبر کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ خیبر کی لڑائی میں یہودی سردار کی بیٹی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا قید ہو کر ایک صحابی رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے مشورے سے ان کا نکاح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کرا دیا۔ اسی طرح میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کی وجہ سے نجد کے علاقہ میں اسلام پھیلا۔ ان شادیوں کا مقصد یہ بھی تھا کہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آسکیں، اخلاقِ نبی کا مطالعہ کر سکیں تا کہ انہیں راہ ہدایت نصیب ہو۔

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے جس وقت نکاح کیا اس وقت وہاں متبنی کی رسم بڑے عروج پر تھی۔ اسلام تو آیا ہی تھا رسم ورواج کو مٹانے کے لئے۔ ان کے خاتمہ کے لئے، حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح متبنی کی اس رسم کو توڑنے کے لئے کیا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متبنی کہلائے تھے، ان کا نکاح حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے ہوا۔ منا سبت نہ ہونے پر حضرت زید رضی اللہ عنہ نے طلاق دے دی، تو حضور ﷺ نے نکاح کر لیا اور ثابت کر دیا کہ متبنی ہرگز حقیقی بیٹے کے ذیل میں نہیں آتا۔

اس میں شک اور شبہ کی قطعی گنجائش نہیں کہ علوم اسلامیہ کا سر چشمہ قرآنِ پاک اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کا ہر ایک پہلو محفوظ کرنے کے لیے مردوں میں خاص کر اصحابِ صفہ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ عورتوں میں اس کام کے لیے ایک جما عت کی ضرورت تھی۔ ایک صحابیہ سے کام کرانا مشکل تھا۔ اس کام کی تکمیل کے لیے آپ ﷺ نے کئی نکاح کیے۔ آپ نے حکماً ازواج مطہرات رضی اللہ عنہا کو ارشاد فرمایا تھا کہ ہر اس بات کو نوٹ کریں جو رات کے اندھیرے میں دیکھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جو بہت ذہین اور فہیم تھیں، حضور ﷺ نے نسوانی احکام و مسائل کے متعلق آپ کو خاص طور پر تعلیم دی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد حضرت عائشہؓ 45 سال تک زندہ رہیں اور 2210 احادیث آپ ﷺ سے مروی ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کسی مسئلے میں شک ہوتا ہے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس کا علم ہوتا۔ اسی طرح حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایات کی تعداد 368 ہے۔

ان حالات و واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ازدواجِ مطہراتؓ کے گھر، عورتوں کی دینی درسگاہیں تھیں، کیونکہ یہ تعلیم قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لیے مکمل اور ناقابل نسخ تھی، مگر ذرائع ابلاغ محدود تھے، اس لیے کتنا جانفشانی سے یہ کام کیا گیا ہوگا، اس کا اندازہ لگا پانا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہے۔ بہر کیف آج ضرورت ہے کہ ہم آقا ﷺ کی زندگی کے اس طرح کے کچھ نکات یاد رکھیں، یاد کریں، تا کہ موقع بموقع معترضین کو آئینہ دکھایا جا سکے، اور کوئی بد بخت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر اگر حملہ کرے تو آپ ﷺ کی عزت و ناموس کا دفاع کیا جا سکے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے والا بنائے۔ (آمین)

کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

فضائل مسجد

مولانا صدرالدین صاحب انصاری

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اپنی مسجدوں کو بچوں اور پاگلوں سے بچایا کرو، ان میں خرید وفروخت، لڑائی جھگڑا اور شور وغل نہ کیا کرو، ان میں حدود قائم نہ کیا کرو، تلواریں نہ سونتا کرو اور ان کے دروازوں پر طہارت خانے بنواؤ۔ (ابن ماجہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا جو آدمی مسجد میں کسی شخص کو کسی گمشدہ چیز کی تلاش کرتا ہوا سنے تو سننے والے کو کہنا چاہیے کہ اللہ کرے تجھے وہ چیز نہ ملے کیونکہ مسجد یں اس کام کے لیے نہیں بنائی گئیں۔ (مشکوۃ شریف)

حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ اپنے والد صاحب کے واسطے سے اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد میں خرید وفروخت کرنے، گمشدہ چیز کو تلاش کرنے اور شعر پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ (ابوداؤد)

ان تینوں حدیثوں میں مسجد کا احترام کرنے کی تاکید ہے، چھوٹے چھوٹے بچے اگر مسجدوں میں لائے جائیں گے تو وہاں گندگی پھیلائیں گے کوئی پیشاب کرے گا کوئی پاخانہ، اسی طرح پاگل کو بھی کوئی تمیز نہیں ہوتی وہ اچھی بری بات میں فرق نہیں کرسکتا، ہوسکتا ہے کہ مسجد میں کوئی گندگی پھیلائے کسی قسم کا نقصان پہنچائے، کسی سے لڑ بیٹھے، شور مچائے اور کسی قسم کی نامناسب حرکت کر بیٹھے جو مسجد کے احترام کے خلاف ہو، مسجد میں شور مچانا بہت بری بات ہے۔ حضرت سائب بن یزید کی حدیث آگے آرہی ہے جس میں حضرت عمر نے دو آدمیوں کو مسجد میں بلند آواز سے بولنے پر سخت تنبیہ فرمائی۔

اسی طرح مسجدیں چوپال نہیں، کلب یا جلسہ گاہیں نہیں ہیں کہ وہاں آپ اپنی دنیا بھر کی ضرورتیں شروع کردیں، نماز کی طرف تو کوئی توجہ نہ ہو، علم وذکر کی کوئی پرواہ نہ ہو مگر گمشدہ چیزوں کی تلاش کے لیے اعلان شروع کردیں یہ بہت بری بات ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے خود ہی ارشاد فرمایا کہ مسجد ایسے کاموں کے لیے نہیں بنائی گئیں بلکہ آپ نے اس قدر تاکید فرمائی کہ اگر کوئی مسجد کی اس طرح بے حرمتی کرے تو اُس کو یہی کہو کہ تجھ کو وہ چیز ہی نہ ملے۔

البتہ اگر کسی کی کوئی چیز مسجد میں ہی رہ گئی ہو تو اس کے لیے علماء نے لکھا ہے کہ ایسی چیز کو مسجد میں لوگوں سے مسجد کا ادب ملحوظ رکھتے ہوئے دریافت کرسکتا ہے اور مسجد میں اعلان بھی کرسکتا ہے۔

مسجد میں خرید وفروخت کرنا یا شعر وشاعری کی آزاد مجلسیں جمانا بالکل ناجائز ہے مسجد یں اللہ کے ذکر اور علمِ دین کے لیے ہیں کوئی تجارتی منڈی نہیں مسجد تو آخرت کا بازار ہے دنیا کا بازار نہیں،

یہاں خرید وفروخت کا مطلب تو یہ ہوجائے گا کہ دنیا کی چیزوں کا رتبہ آخرت کی نعمتوں سے بڑا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ یہاں آخرت کی نعمتیں ملتی ہیں اور ہم ان کو چھوڑ کر دنیوی گندگیاں لینے لگیں۔

اشعار کے معاملہ میں آج کل لوگ بڑی زیادتی کرتے ہیں اور چونکہ بعض روایات میں حضورﷺ کا مسجد میں اشعار سننا آیا ہے اس لیے اس کو حجت بنا کر مسجدوں کو شعر وشاعری کا ایسا اکھاڑا بنادیتے ہیں کہ خدا کی پناہ، یہ سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتے کہ کیسے اشعار کی مخالفت ہے اور کیسے جائز ہیں اور جواز کی شرطیں کیا ہیں، حضورﷺ کے زمانے میں اوّل تو صحابہ خود ہی ہر چیز کا اس قدر احترام کرتے تھے کہ ہم تصور بھی نہیں کرسکتے، بس ایک مرتبہ ان کو حضورﷺ کی منشاء کا علم ہو بس پھر دنیا کی کوئی طاقت نفس کا کوئی جذبہ ان کو حضورﷺ کی منشاء کے خلاف کرنے پر مجبور نہیں کرسکتا۔

دوسرے یہ کہ فقہاء نے حضورﷺ کے اقوال وافعال کو پڑھ کر مسجد میں نصیحت ووعظ یا نعتیہ اشعار پڑھنے کی اجازت دی ہے بشرطیکہ مسجد کی بے حرمتی نہ ہو، نمازیوں اور ذکر وشغل کرنے والوں کو اس سے تکلیف نہ ہو آج کل جیسی طوفانِ بےتمیزی مچانے کی ہرگز اجازت نہیں۔

سائب ابن یزید کہتے ہیں کہ میں مسجد میں سو رہا تھا کہ ایک آدمی نے مجھے کنکری ماری میں نے دیکھا تو حضرت عمر بن خطاب تھے آپ نے مجھ سے فرمایا جاؤ ان دونوں آدمیوں کو میرے پاس لے کر آؤ میں انہیں بلا لایا۔ حضرت عمر نے ان سے پوچھا تم کہاں کے ہو؟ انہوں نے جواب دیا طائف کے۔ حضرت عمر نے فرمایا اگر تم اسی شہر کے ہوتے تو میں تم کو مزہ چکھاتا تم رسول اللہﷺ کے مسجد میں شور مچا رہے تھے۔ (باتیں کرنے میں آوازیں بلند کررہے تھے۔)

چونکہ یہ حضرات مقامی نہ تھے بلکہ باہر سے آئے ہوئے مہمان تھے حضورﷺ کی خدمت میں زیادہ رہنے کا اتفاق نہ ہوا ہوگا اس لیے حضرت عمر نے صرف تنبیہ فرما کر چھوڑ دیا یا مہمان ہونے کی وجہ سے رعایت کی۔ مسجد کے احترام میں بعض بزرگوں سے تو یہ بھی منقول ہے کہ مسجد میں داخل ہوتے ہوئے ان پر خوف کی وجہ سے کپکپی طاری ہوجاتی تھی کہ خانہ خدا میں جا رہے ہیں کوئی بےادبی نہ ہوجائے۔

حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دیہاتی اور ناواقفیت آدمیوں سے فوراً سخت برتاؤ نہیں کرنا چاہیے بلکہ نرمی سے پہلے ان کو سکھانا چاہیے حضور اقدس ﷺ کی مبارک مجلس میں دیہاتی حضرات بسا اوقات اپنی سادگی سے ایسی باتیں کہہ دیتے تھے یا ایسی حرکتیں کر گزرتے جو تربیت یافتہ صحابہ کو بہت ناگوار گزرتیں مگر حضور ﷺ تحمل فرماتے۔

حضرت جابر کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص پیاز یا لہسن کھائے اس کو چاہیے کہ ہم سے (یا فرمایا) ہماری مسجد سے جدا رہے اور مسلم کی روایت میں ہے کہ جو پیاز لہسن کھائے اُس کو چاہیے کہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے کیونکہ فرشتوں کو بھی اِن چیزوں سے اذیت ہوتی ہے جن سے انسانوں کو اذیت ہوتی ہے۔(مسلم شریف)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ جمعہ کا خطبہ دیا تو اس میں کہا اے لوگو تم ایسے دو درخت کھاتے ہو جو میرے نزدیک گندے ہی گندے ہیں، لہسن اور پیاز۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کہ آپ کو اِن دونوں چیزوں کی بدبو کسی سے آتی تھی تو آپ اس کو باہر بقیع میں نکلوا دیا کرتے تھے اس لیے جو بھی اِن کو کھانا چاہے اُس کو چاہیے کہ اِن کو پکا کر اِن کی بدبو کو مار دے۔



مرید ہونے کی ضرورت کیا ہے؟

افادات: حکیم الامت حضرت تھانویؒ

عموماً لوگ اس ضرورت ہی سے ناواقف ہیں دوسروں کی دیکھا دیکھی رواجی طور پر مرید ہوجاتے ہیں اور کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ قیامت کے دن پیر صاحب ہماری سفارش کردیں گے، اس سے زیادہ کسی چیز کا تصور پیروں کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں میں عموماً نہیں پایا جاتا، بھلا بے عمل خلافِ شرع پیر کیا سفارش کرسکتے ہیں؟

مرید ہوتے وقت جو کسی شخص کے ہاتھ پر توبہ کرتے ہیں اُس توبہ کے لوازم کا پورا کرنا لازم ہے (ان لوازم کا ذکر پیچھے گزر چکا ہے کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کی جائے) اگر مرید ہوئے اور فرائض کا اہتمام نہ کیا گناہوں سے نہ بچے اور حرم وحلال کی تمیز نہ کی حرام مال کماتے رہے یا حرام جگہ خرچ کرتے رہے یا لوگوں کے حقوق دباتے رہے یا مال مارتے رہے تو ایسی مریدی والی توبہ سچی نہیں ہے۔ شیخ کے ہاتھ پر توبہ کر لینے کے بعد حقوق اللہ وحقوق العباد کی ادائیگی کی طرف توجہ نہ ہونے کا باعث یہ بھی ہے کہ عموماً بہت سے پیر جو آباؤ اجداد کی گدیاں سنبھالے بیٹھے ہیں خود ہی فکرِ آخرت سے خالی ہیں، خالص دُنیادار ہیں، مال جمع کرنے کو مقصدِ زندگی بنا رکھا ہے، پیری مریدی بھی ایک دھندہ ہے جو کسبِ مال کا بہت بڑا ذریعہ ہے ایسے لوگوں کی صحبت سے فکرِ آخرت کے بجائے حبِ دنیا میں اضافہ ہوتا ہے۔

مرید ہونے کا ارادہ کریں تو اوّل لازم ہے کہ ایسا مرشد تلاش کریں جو شریعت کا پابند ہو اور آخرت کا فکرمند ہو، دنیادار نہ ہو، دنیا سے محبت نہ رکھتا ہو، گناہوں سے بچتا ہو اور اس کے پاس بیٹھنے سے آخرت کی فکر بڑھتی ہو اور گناہ چھوٹتے ہوں، نیکیوں کی رغبت ہوتی ہو، حرام سے بچنے کی طرف اور حقوق العباد کی ادائیگی کی طرف طبیعت چلتی ہو اور فرائض وشرعی احکام کی طرف رغبت ہوتی ہو، اگر کوئی شخص مرید کرتا ہو لیکن فرائض وحقوق کا خیال نہ رکھتا ہو اُس کی زندگی گناہوں والی ہو تو اِس قابل نہیں ہے کہ اُس سے مرید ہوں اس شخص سے دُور بھاگنا واجب ہے۔

عورت شوہر اور گھر کو دیندار بنا سکتی ہے:

فرمایا: عورت کے حالات کا پورے گھر پر اَثر پڑتا ہے، اگر عورت دیندار ہے تو دوسری عورتوں کو بھی دیندار بنادے گی اگر عورت آزاد بے پردہ ہے تو ایک کے آنے سے پورا ماحول گندہ ہوجائے گا۔

ایک جگہ کا قصہ ہے کہ ایک تحصیلدار صاحب تھے ان کی شادی ایک صاحب کی لڑکی سے ہوئی جو حضرت تھانوی سے بیعت تھے بڑے دیندار تھے ان کی دینداری کی شہرت تھی رشتہ ہوا اور رُخصتی ہوگئی، رُخصتی کے بعد آتے ہی سب سے پہلے گھر میں دوسری عورتوں سے اُس نے سلام کیا، نئی دُلہن کے لیے سلام کرنا بڑے عار کی بات سمجھتے ہیں عورتوں کو بڑا تعجب ہوا کہ بڑی بے حیا معلوم ہوتی ہے، جب نماز کا وقت آیا تو اُس نے خود ہی پانی مانگا وضو کیا اور دوسری عورت سے کہا کہ آپ لوگ بھی نماز پڑھیں سب کو وضو کرایا نماز پڑھائی، عورتوں میں چرچا ہوا یہ تو بڑی بے حیا ہے ابھی سے ٹک ٹک باتیں کرتی ہے اس واسطے کہ اُس وقت عورتوں کے ماحول میں نئی دُلہن کے لیے بولنا جرم تھا پانی بھی نہیں مانگ سکتی دوسری عورت ساتھ جاتی تھی اگر پانی کی ضرورت ہوتی تو پہلے اس سے کہتی وہ لا کر دیتی۔

اب کھانے کا وقت آیا کھانا سامنے لایا گیا تو کھانے سے انکار کر دیا، بہت اصرار کیا گیا تب بھی نہ کھایا، اب بات پھیلی کہ بہو کچھ کھاتی نہیں، جب زیادہ اصرار کیا گیا تو کہا اچھا جس سے میرا رشتہ ہوا ہے اُن کو بُلا دیجئے ان سے تھوڑی بات کرنا چاہتی ہوں۔ عورتوں میں ہائے ہائے مچ گئی کہ یہ کیسی بے حیا ہے ابھی سے شوہر سے سب کے سامنے بات کرتی ہے بڑی بے شرم ہے، شوہر کو بلایا گیا اس نے پوچھا کیا بات ہے؟ جواب دیا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ رشوت لیتے ہیں اور رشوت کھانا حرام ہے اس کو تو میں نہیں کھاؤں گی، میں آپ سے مطالبہ نہیں کرتی گھر قریب ہے میں اپنا خرچ چلا لوں گی گفتگو ہوتی رہی، شوہر نے کہا کہ اس میں میری بدنامی ہے۔ بیوی نے جواب دیا کہ اس میں آپ کی بدنامی معلوم ہو رہی ہے اور قیامت میں جو رسوائی ہوگی اس کا خیال نہیں، شوہر نے توبہ کی آئندہ کے لیے عہد کیا کہ کبھی رشوت نہ لوں گا، اس کے بعد بیوی نے کھانے کی شرعی صورت بیان کی، جب عورت دیندار ہوتی ہے تو شوہر کو دیندار بنا دیتی ہے اس کو دیکھ کر دوسری عورتیں بھی دیندار ہو جاتی ہیں۔

اہلیہ کیساتھ علیحدہ رہیے اور والدین کی خدمت کیجیے:

رمضان میں ایک صاحب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ شکایت کی کہ میری بیوی اور ماں میں باہم نباہ نہیں ہوتا، آئے دن اختلافات اور کشیدگی ہوتی رہتی ہے یہ کہہ کر اُن صاحب نے تعویذ چاہا، حضرت نے فرمایا تعویذ تو میں دیتا لیکن آپ اہلیہ کو علیحدہ لے کر رہیے کھانا پینا بھی علیحدہ رکھیے

اور علیحدہ رہ کر والدین کی خدمت کیجیے، والدین اگر علیحدہ رہنے پر راضی نہ ہوں تب بھی علیحدہ رہیے ناراض ہوں تو ہوا کریں اُن کی خدمت کرتے رہیے، اِن شاءاللہ کچھ دن میں سب ٹھیک ہو جائے گا۔

عورت کی بد دینی گھر کی بربادی

مولانا حکیم شاہ محمد اختر ؒ کراچی

اگر عورت بد دین اور آزاد بے پردہ ہے تو مرد کو بھی بد دین بنا دے گی، کتنی جگہ آزاد عورتیں گھروں میں آئیں خود بے پردہ تھیں دوسروں کو بے پردہ بنا دیا، لباس ایسا کہ ہاتھ کھلے ہوئے پیٹ کھلا ہوا، ایسی عورتیں دوسروں کو اور شوہر کو بھی بد دین بنا دیتی ہیں۔

اس میں بھی ایک تحصیلدار صاحب ہی کا قصہ ہے بڑے دیندار تھے رشوت بالکل نہ لیتے تھے نماز روزہ کے پابند، اتفاق سے اُن کے چپڑاسی کے یہاں شادی تھی اُس نے تحصیلدار صاحب سے اصرار کیا کہ صاحب اپنے گھر سے عورتوں کو بھیج دیں تو میری عزت رہ جائے گی اور وہ تحصیلدار صاحب کسی کے یہاں شادی وغیرہ میں بھیجتے نہ تھے، ایک تو شادی میں بے پردگی بہت ہوتی ہے دوسرے اور بہت سی خرابیاں ہوتی ہیں اس لیے اپنے گھر کی عورتوں کو شادی میں نہ بھیجتے تھے لیکن چپڑاسی نے بہت اصرار کیا تو اُنہوں نے بھیج دیا، وہاں جا کر انہوں نے دیکھا کہ ساری عورتیں ایک سے ایک لباس پہنے زیور سے لدی پڑی ہیں اور ہر پانچ منٹ میں نیا جوڑا بدلا جا رہا ہے اور عورتیں پوچھتیں کہ یہ کون ہیں تو بتلایا جاتا کہ تحصیلدار صاحب کی بیگم ہیں اِن کی اور ذلت ہوتی، بس وہاں سے آ کر جب گھر آئی ہیں تو تحصیلدار صاحب پر برس پڑیں کہ میری ناک کٹا کے رکھ دی مجھے ذلیل ورُسوا کیا، چپڑاسی اور نوکران کی عورتیں تو زیور سے لدی رہتی ہیں، نئے نئے جوڑے منٹ منٹ پر بدلے جاتے ہیں اور میرے پاس صرف ایک سادہ جوڑا، زیور سے بالکل ننگی۔ تحصیلدار صاحب نے سمجھایا کہ اَرے جتنی تنخواہ ہے اُسی کے مطابق انتظام کرتا ہوں وہ لوگ دوسری طرح آمدنی کرتے ہیں رشوت لیتے ہیں، بیگم صاحبہ فرماتی ہیں تو آپ کے لیے کیا دروازہ بند ہے، آپ کو کس نے منع کیا؟ الغرض اتنا پیچھے پڑیں بالآخر شوہر کو مجبور کر دیا وہ رشوت لینے لگے اور اُن کی ساری دینداری ختم ہوگئی۔ یہ تحصیلدار صاحب کی کمزوری اور ڈھیلے پن کی بات تھی ورنہ سخت ہو جاتے، نہ لیتے رشوت، کیا کر لیتی عورت، گھر سے نکال دیتے دماغ درست ہو جاتا۔

جب عورت بد دین ہوتی ہے تو شوہر کو بھی بد دین بنا دیتی ہے، اِسی وجہ سے اہلِ کتاب یہودی یا عیسائی عورتوں سے کوئی نکاح کرے تو نکاح تو جائز ہو جائے گا لیکن اس کی ممانعت ہے کیونکہ اس سے گھر برباد ہوتا ہے۔

گھمنڈ

مفتی احمد متین رشادی

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تکبر کرنے والے کا بہت برا ٹھکانا ہے، کبریائی خاص میری چادر ہے پس جو شخص بھی اِس میں شریک ہونا چاہے گا میں اُس کو قتل کردوں گا۔

تکبر کی حقیقت اور آثار:

رسولِ مقبول ﷺ فرماتے ہیں کہ "جس کے قلب میں رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں نہ جائے گا۔"

جو لوگ باوجود صاحبِ عزت و مال ہونے کے تواضع کرتے ہیں اور عاجزی وانکساری کے ساتھ لوگوں سے ملتے ہیں اُن کو مبارک ہو کہ اُن کے بڑے درجے ہیں اُن کی دنیا میں بھی عزت بڑھتی ہے اور آخرت میں بھی۔

تکبر کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنے آپ کو صفاتِ کمالیہ میں دوسروں سے زیادہ سمجھے اور ظاہر ہے کہ جب انسان کا اپنے متعلق ایسا خیال ہوتا ہے تو نفس پھول جاتا ہے اور پھر اس کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں مثلاً راستہ میں چلتے وقت دوسروں سے آگے قدم رکھنا مجلس میں صدر مقام یا عزت کی جگہ بیٹھنا دوسروں کو نظرِ حقارت سے دیکھنا یا اگر کوئی سلام کرنے میں پیش قدمی نہ کرے تو اُس پر غصہ ہونا، کوئی اگر تعظیم نہ کرے تو ناراض ہونا، کوئی اگر نصیحت کرے تو ناک بھویں چڑھانا، حق بات معلوم ہونے پر بھی اُس کو نہ ماننا اور عوام الناس کو ایسی نگاہ سے دیکھنا جس طرح گدھوں کو دیکھتے ہیں نعوذ باللہ منہا چونکہ تکبر بڑی بڑی خباثتوں کا مجموعہ ہے اس لیے جہنم کا پورا ذخیرہ ہے۔

کبریائی:

کبریائی اللہ تعالیٰ ہی کے لیے مخصوص اور اسی کی شان کو زیبا ہے پس انسان ضعیف البنیان جس کو دوسرے کا اختیار تو درکنار اپنے ہی نفس کا اختیار نہیں اِس صفتِ الٰہی میں ساتھی ہونے کی کس طرح جرأت کرسکتا ہے اور چونکہ متکبر شخص باوجود اس ذلت وضعف کے حق تعالیٰ کی مشارکت چاہتا ہے اور اس صفتِ کمالیہ میں اُس کے ساتھ منازعت (جھگڑا) کرتا ہے اس لیے پرلے درجے کا احمق اور خبیث النفس سمجھا

جائے گا۔

تکبر :

تکبر کے سبب حق بات کے انکار کی نوبت آتی ہے جس سے دینی سعادت کا دروازہ بند ہو جاتا ہے اور متکبر اللہ کی مخلوق کو بہ نظر حقارت دیکھنے لگتا ہے اور یہ بات اللہ تعالیٰ کو بہت ناگوار ہے۔

کسی اطاعت اور معصیت کو معمولی نہ سمجھو :

کان لگا کر سنو! ایک بزرگ کی نصیحت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رضامندی کو اپنی طاعت میں چھپا رکھا ہے لہٰذا کسی عبادت کو کتنی ہی چھوٹی کیوں نہ ہو حقیر نہ سمجھو کیا خبر ہے کہ اُس کی رضامندی اِس میں چھپی ہوئی ہو اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی ناراضگی اور غصہ کو معصیت میں چھپا دیا ہے پس کسی معصیت کو کیسی ہی ذرا سی کیوں نہ ہو کبھی معمولی نہ سمجھو کیا خبر ہے شاید اِسی میں اس کی ناراضگی و غصہ چھپا ہوا ہو اور اسی طرح اپنی ولایت و قرب کو اپنے بندوں میں مخفی رکھا ہے لہٰذا کسی بندہ کو کیسا ہی گناہگار کیوں نہ ہو کبھی حقیر نہ سمجھو کیا خبر کہ شاید یہی بندہ اللہ کا ولی ہو اسی عمل میں اُس کی رضامندی ہو جس کا ظہور اس کے انتقال کے وقت دفع ہو جائے۔

تکبر نفس :

تکبر نفس کوئی پسندیدہ وصف حاصل نہیں کرنے دیتا، تکبر کرنے والا شخص تواضع سے محروم رہتا ہے، حسد اور غصہ کو دُور کرنے پر قادر نہیں ہوتا، ریا کاری کا ترک اور نرمی کا برتاؤ اس کو دشوار ہوتا ہے کسی مسلمان بھائی کی خیر خواہی اس سے ہو نہیں سکتی، غرض اپنی عظمت اور بڑائی کے غرہ (غرور) میں مست اور بہمہ صفت موصوف ہونے کے خیالِ باطل میں ناصح کی نصیحت سے مستغنی اور نفس امارہ کی اصلاح سے بالکل محروم رہتا ہے۔

کبر کا علاج :

جب تک یہ بدخصلت دفع نہ ہو جائے آئندہ بھی اس کی اصلاح کی توقع نظر نہیں آتی لہٰذا اس کے علاج میں جلدی کرنی چاہیے۔

اوّل تو یہی سوچنا چاہیے کہ ہماری حقیقت اور اصلیت کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ ابتدا تو نجس اور ناپاک منی کا قطرہ ہے اور اِنتہا مردار لوتھڑا اور کیڑے مکوڑوں کی غذا، اب رہی متوسط حالت کہ جس کا نام زندگی

اور حیاتِ دنیا ہے سو اِس کی حالت یہ ہے کہ منوں نجاست پیٹ میں بھری ہوئی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ انسان محض معدوم شے تھا اور اس قابل ہی نہ تھا کہ ذکر و بیان میں آسکے، اس کے بعد مٹی بنا اور پھر نطفہ ہوا پھر مضغہ گوشت بنا نہ کان تھے نہ آنکھ اور نہ حیات نہ طاقت اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے سب کچھ دے دیا مگر اس پر بھی بیسیوں امراض کا ہر وقت نشانہ بنا ہوا ہے، بھوک پیاس کا محتاج جدا ہے اور ذرا سی تکلیف میں بیکار ہو کر بیٹھ جاتا ہے کسی شے کا علم چاہتا ہے مگر نہیں ہوسکتا، نفع حاصل کرنا چاہتا ہے مگر نقصان ہو جاتا ہے کوئی لحظہ موت سے امن نہیں اللہ جانے جس وقت بیمار ہو جائے کس وقت عقل چھن جائے کس وقت کوئی عضو بیکار ہو جائے اور کسی وقت روح پرواز کر جائے پھر انجام کار موت کا شکار اور اس کے بعد تنگ و تاریک گھاٹیوں کا سامنا ہونا ہے حساب کتاب حشر و نشر پیش آنے ہیں، جنت دوزخ میں دائمی زندگی کا فیصلہ اور شہنشاہی فرمان کا صادر ہونا، بھلا تم ہی بتاؤ کہ ایسے گرفتار مصیبت اور ذلیل و ناکارہ غلام کو زبردست قدرت والے جبار و قہار شہنشاہ کی ہمسری کا خیال کیونکر زیبا ہوسکتا ہے؟ جس شخص کی یہ حالت ہو کہ اگر نجاست اس کے ہاتھ کو لگے تو تین تین مرتبہ دھوئے اور پھر اسی نجاست کو ہر وقت پیٹ میں لیے پھرے اس کو تکبر کرنا کسی طرح بھی زیب نہیں دیتا۔

عموماً چار باتوں میں انسان کو تکبر ہوتا ہے: (۱) علم (۲) تقوی (۳) حسب و نسب اور (۴) مال و جمال۔



تقویٰ

مولانا محمد حمزہ قاسمی

تکبر کا دوسرا سبب تقوی اور زہد ہے چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ عابد بھی اکثر تکبر کرنے لگتا ہے اور بعض کی تو یہاں تک حالت ہو جاتی ہے کہ لوگوں کو ایذا پہنچانے کو اپنی کرامت سمجھنے لگتے ہیں مثلاً اگر کسی شخص سے ان کو ایذا پہنچے تو جھلا کر کہتے ہیں کہ دیکھتے رہو اللہ تعالیٰ اس کو کیسی سزا دیتا ہے اس نے ہم پر ظلم تو کیا مگر عنقریب سزا بھی ایسی ملے گی کہ یاد ہی رکھے گا، اس کے بعد اگر تقدیر سے وہ شخص بیمار پڑ گیا یا مر گیا تو اپنے دعوی کا ثبوت بھی پیش کرتے اور خوش ہو کر کہتے ہیں کہ دیکھا اللہ کے فقیر بندوں کو ایذا دینے کا کیسا نتیجہ رہا۔ اس احمق سے کوئی پوچھے کہ کافروں نے انبیاء کو ہزار ہا ایذائیں پہنچائیں مگر کسی نے بھی انتقام کا فکر نہیں کیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ ایذا دینے والے کفار مشرف بایمان ہو گئے اور دنیا و آخرت کی بہبودی سے دامنوں کو بھر لیا، اگر حضراتِ انبیاء اپنے دشمنوں سے انتقام لیتے یا ان کا مر جانا چاہتے تو بھلا اللہ کی مخلوق کیونکر ہدایت پاتی، کیا کوئی عابد ولی کسی نبی سے بڑھ سکتا ہے اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ عابد کو ہر شخص کے سامنے تواضع کرنی چاہیے۔

کسی عالم گنہگار کو دیکھے تو اس کے سامنے علم کی وجہ سے جھک جائے اور اس کے گناہ کا خیال نہ کرے کیونکہ علم کی بڑی فضیلت ہے اور جاہل فاسق کو دیکھے تو یوں سمجھے کہ کیا خبر ہے شاید اس کی باطنی حالت مجھ سے بدر جہا بہتر ہو اور اس میں کوئی ایسی محمود صفت ہو جو اِس کے ظاہری گناہوں کو چھپا لے اور میرے اندر کوئی ایسی خباثت ہو جس کے باعث میری ظاہری عبادتیں بھی حبط (مٹ جائیں) ہو جاویں سو اللہ تعالیٰ تو قلوب دیکھتا ہے صورت کو نہیں دیکھتا اور کسی کے قلب کا حال سوائے علام الغیوب کے دوسرے کو معلوم نہیں پھر تکبر کیسا علاوہ اس کے یہ کہ خود تکبر بھی تو ایک باطنی خباثت ہے پس اپنی حالت کا بدتر ہونا تو خود ظاہر ہو گیا کہ اپنے اندر تکبر موجود ہے اور وہ شخص جو فاسق نظر آ رہا ہے تکبر سے خالی ہے۔

بنی اسرائیل میں ایک فاسق شخص ایک مرتبہ ایک عابد کے پاس اِس نیت سے آ بیٹھا کہ اللہ تعالیٰ اِس کی برکت سے مجھ پر رحم فرما دے گا، اس کو پاس بیٹھا دیکھ کر عابد اپنے دل میں کہنے لگا کہ مجھے اس سے نسبت کیا؟ کہاں یہ اور کہاں میں! اس کے بعد اس سے کہا کہ جاؤ دور ہو، اسی وقت اُس زمانہ کے پیغمبر پر وحی نازل ہوئی کہ اِن دونوں سے کہہ دو کہ اَز سرِ نو عمل کریں کہ پہلا کیا کرایا برا تھا یا بھلا دونوں کا حبط کر دیا گیا کہ فاسق کے گناہ محو ہو گئے اور عابد کی نیکیاں مٹ گئیں اب آئندہ جیسا کریں گے ویسا بھریں گے۔

ملفوظات حضرت خواجہ معین الدین چشتی

رضاءالدین صدیقی

☆ کون سی چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت میں نہیں ہے، پس انسان کو چاہیے کہ وہ اس کا احکام بجالانے میں کوئی قصور وکوتاہی نہ کرے۔ تاکہ جو کچھ وہ چاہتا ہے قدرت حق سے بامراد ہوجائے۔

☆ میں نے اپنے شیخ حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ کی زبان فیض ترجمان سے سنا کہ کسی شخص میں تین خصلتیں پائی جائیں تو سمجھ لو کہ خدا اسے دوست رکھتا ہے، سخاوت دریا کی طرح، شفقت آفتاب کی طرح اور تواضع زمین کی طرح۔

☆ حدیث میں آیا ہے کہ صحبت اثر کرتی ہے۔ یعنی کوئی شخص نیکوں کی صحبت میں بیٹھے گا تو وہ نیک ہوجائے گا۔ اس لیے کہ جس کسی نے کچھ پایا صحبت اور ہم نشینی سے پایا اور جو نعمت سعادت حاصل کی وہ نیکوں اور صالحوں کی رفاقت سے ملی۔

☆ اگر کوئی شخص کچھ عرصہ کے لئے نیک لوگوں کی ہمنشینی اختیار کرے تو امید ہے کہ ان کی صحبت ضرور اثر کرے گی اور وہ نیک بن جائے گا اور یہ چیز اس کی نیکی پر دلالت ہوگی، اور اگر کوئی نیک فرد چند روز کے لیے بروں کی صحبت اور ہم مجلسی اختیار کرے گا تو وہ بھی ان کی طرح ہوجائے گا۔

☆ دنیا میں عزیز ترین چیزیں تین ہیں۔ اول: وہ عالم جس کی گفتگو اپنے علم وفضل سے ہو۔ دوم: وہ آدمی جسے طمع اور لالچ نہ ہو۔ سوئم: وہ عارف جو ہمیشہ حق تعالیٰ کے اوصاف بیان کرے۔

☆ درویشی یہ ہے کہ کسی آنے والے کو محروم اور مایوس نہ کیا جائے اگر کوئی بھوکا ہے تو اسے پیٹ بھر کر کھانا کھلایا جائے۔ اگر کوئی ننگا ہو تو اسے مناسب لباس مہیا کیا جائے۔ چاہیے کہ ہر حالت میں کسی شخص کو محروم نہ چھوڑا جائے۔ حتٰی کہ ہر کسی کی احوال پرسی کرے اس کی دلجوئی ضرور کرنی چاہیے یہی درویشی ہے۔

☆ عارفان الٰہی کی خصلت محبت میں اخلاص ہے۔ جہان میں بہت عزیز اور عمدہ بات یہ ہے کہ دوستوں کے ساتھ مل کر بیٹھیں اور جو کچھ دل میں ہو، ایک دوسرے سے بلا تکلف کہہ دیں اور صاف صاف بیان کریں۔ بدترین چیز یہ ہے کہ دوست دوستوں سے جدا رہیں۔

☆ اللہ تبارک وتعالیٰ سے دوستی کیسی کی جاسکتی ہے؟ اس کا طریقہ یہ ہے کہ ان چیزوں سے دوشمنی رکھی جائے جنہیں اللہ تعالیٰ دشمن سمجھتا ہے۔ مثلاً دنیا اور نفس۔ ایک بزرگ سے عارف کی علامت کے متعلق

پوچھا گیا تو اس نے جواب دیا عارف وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کی طرف نہ دیکھے۔

☆ حضرت رابعہ بصری سے پوچھا گیا کہ افضل ترین عمل کون سا ہے انھوں نے جواب دیا اوقات کی تعمیر، یعنی اوقات کو یادِ الٰہی میں بسر کرنا افضل ترین عمل ہے۔

☆ صرف نماز ہی منزل گاہ عزت کے قریب ہونے کا ذریعہ ہے، اسلئے کہ نماز مومن کی معراج ہے، حدیث پاک میں بھی وارد ہے **الصلوٰۃ معراج المومنین** ۔تمام مقامات سے بالاتر نماز ہے۔القائے ربانی کا وسیلہ اوّل نماز ہی ہے۔

☆ نماز ایک راز ہے جو بندہ اپنے پروردگار سے بیان کرتا ہے راز کہنے کیلئے کسی کا قرب چاہیے ،قرب وہی پاسکتا ہے جو اس راز کے لائق اور سزاوار ہو، یہ راز سوائے نماز کے اور کسی طرح بیان نہیں ہوسکتا حدیث مبارک میں مسطور ہے **المصّلی یناجی ربہ** یعنی نماز ادا کرنے والا اپنے ربِ کریم سے سرگوشی کرتا ہے۔

☆ حضرت خواجہ ابواللیث سمرقندیؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے آسمان سے ہر روز دو فرشتے اترتے ہیں ایک خانہ کعبہ کی چھت پر کھڑا ہوکر بلند آواز سے کہتا ہے، اے انسانو اور اے قوم جنات سنو اور اچھی طرح جان لو، جو شخص اللہ تبارک تعالیٰ کا فرض بجا نہیں لاتا وہ خدا کی پناہ میں نہیں رہتا۔ دوسرا فرشتہ رسول اللہ ﷺ کے حظیرہ کی چھت پر کھڑا ہوکر آواز دیتا ہے۔اے جن وانس سنو اور خوب سمجھ لو کہ جو شخص نبی کریم ﷺ کی سنت کو پس پشت ڈال دیتا ہے اور اس سے تجاوز کرتا ہے وہ شفاعت سے بے بہرہ رہے گا۔

☆ ایک روز نبی کریم ﷺ کے سامنے ابلیس آیا، آپ نے اسے بڑا غمگین پایا، آپ نے دریافت کیا، تیرے اس غم واندوہ کا سبب کیا ہے۔اس نے جواب دیا آپ کی امت کے چار گروہوں کی وجہ سے میں بڑا پریشان ہوں۔

(۱) ایک مؤذنوں کا گروہ ہے، جو اذان کہتے ہیں۔اور جو کوئی اذان سنتا ہے اور اس کا جواب دینے میں مشغول ہوجاتا ہے۔اس طرح وہ دونوں بخشے جاتے ہیں۔

(۲) دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جو جہاد کے لیے نکلتے ہیں ان کے گھوڑوں کے سموں کی آواز سنائی دیتی ہے جب وہ تکبیر کہتے ہیں۔تو فرمانِ ایزدی نازل ہوتا ہے کہ میں نے انھیں اور ان کے متعلقین کو بخش دیا۔

(۳) تیسرا کسب حلال سے روزی کمانے والوں کا گروہ ہے وہ کسب حلال سے خود بھی کھاتے ہیں دوسروں کو بھی کھلاتے ہیں اور اللہ حلال کمائی کی برکت سے ان سب کو بخش دیتا ہے۔

(۴) چوتھا وہ گروہ ہے جو فجر کے بعد اشراق ادا کرکے مسجد سے نکلتا ہے۔(دلیل العارفین)

القاب اور اکابر

مفتی مجیب الرحمٰن دیودرگی

اکابر کی خدمات کا تنوع اور اس کی وسعت و ہمہ گیری کا بنیادی سبب ان کا خلوص وللّٰہیت کا خوگر ہونا اور ریا کاری سے دوری تھی، ان کے نزدیک کام اہم ہوتا نام کی ضرورت نہ ہوتی، علامہ نوویؒ مشہور شافعی عالم دین ہے ان کی مشہور کتاب ”شرح مجموع مھذب“ کئی جلدوں میں ہے، مسلم شریف کی بھی انہوں نے بہترین شرح لکھی ہے، اس کے علاوہ بھی کئی کتابوں کے مصنف ہیں، ابن حجر عسقلانیؒ جیسی نابغۂ روزگار شخصیت نے بھی اپنی کتابوں میں جابجا علامہ نوویؒ کی کتابوں سے استفادہ کیا ہے، اس کے باوجود ان کے روبرو ایک شخص نے انہیں محی الدین کے لقب سے موسوم کیا تو علامہ نوویؒ بگڑ گئے اور یہ کہا کہ میں نے کسی کو اپنے لیے محی الدین نام رکھنے کی اجازت نہیں دی۔(المدخل)۔

یہ اس لقب کے حقدار بھی تھے، ملت نے انہیں انتقال کے بعد بھی اسی لقب سے موسوم کیا؛ لیکن انہوں نے اپنی زندگی میں اس پر خوش ہونے کے بجائے بڑے سخت لہجے میں اس کی تردید کی۔

عراق کے فقہاء میں عام طور پر سادگی تھی، وہ کاروبار، محلّہ، قبیلہ، یا گاؤں کی طرف نسبت کرتے تھے، جیسے جصاص (گچ والا) قدوری (ہانڈی والا) طحاوی (طحا گاؤں کا باشندہ) کرخی (کرخ کا رہنے والا) البتہ ماوراء النہر کے علماء میں عام طور پر القاب میں مبالغہ کیا جاتا تھا اور دوسروں پر ترفع ظاہر کیا جاتا، جیسے شمس الاسلام، فخر الاسلام، صدر الاسلام، صدر جہاں، صدر الشریعہ وغیرہ، اور یہ صورت زمانہ مابعد میں پیدا ہوگئی تھی، پہلے زمانے کے لوگ اس قسم کی باتوں سے پاک تھے۔

محی الدین نحاس کی تنبیہ الغافلین میں جہاں منکرات کا ذکر ہے لکھا گیا ہے کہ منکرات میں سے وہ بھی ہے جو آج وبا کی طرح پھیل گیا ہے، یعنی وہ جھوٹ جو زبانوں پر رائج ہوگیا، یہ خود ساختہ القاب ہیں، جیسے محی الدین، نور الدین، عضد الدین وغیرہ، یہ وہ جھوٹ ہے جو پکارتے وقت تعریف کرتے وقت واقعہ بیان کرتے وقت بار بار زبانوں پر آتا ہے، یہ سب دین میں امر منکر اور بدعت ہیں۔

مذکورہ بالا اقتباس نقل کرنے کے بعد مولانا لکھنویؒ نے لکھا ہے کہ یہ بات یعنی مذکورہ بالا القاب کا منکر و بدعت ہونا اس صورت میں ہے جب کہ صاحبِ لقب اس کا اہل نہ ہو، یا اہل ہو مگر اس نے

اپنا لقب بطورِ تزکیہ کے رکھا ہو۔(فوائد البھیہ)

نیز مفتی صاحبؒ نے وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہمارے عرف میں یہ القاب محی الدین، ناصرالدین ،وغیرہ بطورِ نام کے استعمال ہوتے ہیں اس لیے ممنوع نہیں ہیں، ہمارے محاورات میں القابِ عالیہ کی مثالیں مفتیِ اعظم ،محققِ بے بدل،خطیبِ عصر،علامۂ زمان وغیرہ ہیں۔

ایک دفعہ ایک جلسہ میں حضرت شیخ الہندؒ کو بڑے القابات سے نوزا گیا،ان کی بڑی تعریفیں کی گئی، جب آپ نے تقریر شروع کی تو بذاتِ خود اپنی اتنی مذمت کی کہ مجمع سن کر پانی پانی ہوگیا۔

ایک دفعہ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے اناؤنسر کی مبالغہ آمیزی پر انتہائی سخت رویہ اپنایا تھا ،بڑے بڑے اکابر تو صرف اپنے لیے مولوی کا لفظ استعمال کیا کرتے تھے، دیگر کئی اکابر کے سلسلہ میں معروف ہے کہ ادھر اناؤنسر نے تعریف کرنی شروع کی تو مقرر نے مائیک چھین کر تقریر شروع کردی، آج شیخ الاسلام، شیخ الفقہ ،شیخ الحدیث کے القاب استعمال کرتے ہوئے زبانیں نہیں تھکتی ہیں۔

اب تو القاب وآداب میں مزید غلو پیدا ہوگیا ہے، پہلے کے لوگوں کو اگر کوئی لقب یا خطاب دیا گیا تو اپنی معیاری خدمات کی وجہ سے وہ مستحق بھی تھے اور حق دار بھی لیکن اب تو نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ

آتا جاتا کچھ نہیں ہے نام محمد فاضل
دیکھنے میں اچھی نہیں لگتی نام حسینہ بیگم

فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ کو جب کچھ معتبر علماء وصلحاء نے مفتی صاحبؒ کی فقہی خدمات اور فقہی مہارتوں کو مدنظر نظر رکھتے ہوئے ’’فقیہ الاسلام‘‘ کا لقب دیا اور تحریروں وتقریروں میں یہ لقب بکثرت زبانوں آنے لگا تو نہ صرف اس کو ناپسند فرمایا کہ بلکہ بعض مواقع پر تقاریر میں اس کی قباحت بھی ارشاد فرمائی بلکہ یہ بھی فرمایا کہ اب تو لوگوں نے انسانوں سے ہٹ کر جانوروں کے ناموں پر القاب لکھنے کا عمل شروع کردیا ہے چنانچہ کوئی بلبل ہند ہے تو کوئی طوطئ اسلام،کوئی شیر پنجاب ہے تو کوئی شیر اسلام، گویا اللہ نے جس کو انسان بنا کر اشرف المخلوقات بنایا تھا ہمارے لوگوں نے انسانوں سے جانوروں میں داخل وشامل فرمادیا۔

اسی لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ عوام میں بے محل القاب کے نقصانات بیان کیے جائیں کہ عوام خود کذب بیانی وغیرہ کے خوف سے اس سے پرہیز کرنے لگیں، مدارس دینیہ میں ابتداء ہی ایسی تربیت کی جائے کہ طلبہ اپنے لیے القاب کے بجائے نام ہی زیادہ پسند کرنے لگیں۔

محرم الحرام تاریخ کے آئینے میں

محمد ابوسفیان حسینی

ہمارا نظریہ دینِ اسلام ہے اس کی بنیاد علاقائیت، وطنیت، نسل پرستی یا زبان نہیں ہے، بلکہ ہمارا دین اسلام یہ نہ صرف مذہب ہے بلکہ ضابطہ حیات ہے، ہر قوم کا کوئی نہ کوئی کیلنڈر رہا ہے۔ یہودیوں کا سن ۳۷۰۰ ق م سے شروع ہوتا ہے، عیسوی سن کی ابتداء حضرت عیسیٰؑ کے یوم ولادت سے ہوتی ہے، اس طرح بکرمی سن کی ابتداء مہاراجہ بکر ماجیت کو ساکھا قوم پر فتح حاصل ہونے کے واقعے سے ہوتی ہے، اس طرح سن ہجری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سفرِ ہجرتِ مدینہ کی یاد دلاتا ہے۔ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کا یہ سفر آٹھ ربیع الاول کو ہوا۔ یہیں سے اسلامی سال کی ابتداء ہوتی ہے، جس کو سیدنا فاروق اعظمؓ نے اپنے دورِ خلافت میں نافذ کیا۔

قمری تقویم اور اس کے فوائد:

اگر ہم سن ہجری کا دوسرے مروجہ سنین سے تقابل کر کے دیکھیں۔ تو یہ سن بہت سی باتوں میں دوسروں سے منفرد و ممتاز نظر آتا ہے۔ سن ہجری کی ابتداء چاند کو بنایا گیا اور اسلامی مہینوں کا تعلق چاند سے جوڑا گیا۔ یہ تقویم خالق کی بنائی چیز سے تعلق رکھتی ہے۔ اس میں کسی پیوند کاری کی کوئی ضرورت نہیں۔ اسلام چونکہ سادہ، عجز وانکساری والا آسان مذہب ہے، لہٰذا چاند کے ذریعے ہر علاقہ کے لوگ خواہ پہاڑوں میں رہتے ہوں یا کہ جنگلوں میں خواہ جزیروں میں، ان کے لئے آسان ہے کہ اپنے معاملات چاند کے مطابق طے کریں۔ اس میں کوئی مشکل و پیچیدگی نہیں۔ پڑھے لکھے اور ان پڑھ سب آسانی سے حساب کر سکتے ہیں۔ اس کے برعکس دیگر تقاویم ہر آدمی آسانی سے معلوم نہیں کر سکتا۔ جبکہ چاند ہر جگہ نکلتا ہے۔ کسی مشکل حساب کتاب کی ضرورت نہیں۔ جبکہ دوسری تاریخوں میں یہ بات نہیں۔ اسلام چوں کہ دینِ فطرت اور عدل وانصاف کا دین ہے۔ اس میں مساوات و ہمہ گیری ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہی پسند فرمایا۔ کہ اسلامی مہینے ادلتے بدلتے آیا کریں۔ لہٰذا قمری تقویم کو بنیاد قرار دیا گیا۔ اگر اسلام دیگر اقوام کے طریق کو اپنا لیتا یا گوارہ کر لیتا جیسے شمسی (عیسوی) تقویم تو ماہ صیام کسی ایک مقام پر ہمیشہ ایک ہی موسم میں آیا کرتا جس کا لازمی نتیجہ یہی نکلتا کہ نصف دنیا کے مسلمان جہاں موسم سرد اور دن چھوٹے ہوتے

ہمیشہ آسانی میں رہتے۔اسی طرح سفرِ حج کا بھی یہی حال رہتا۔

محرم الحرام اور تاریخ انسانیت:

طلوع اسلام سے قبل بھی تاریخِ انسانیت کے بے شمار واقعات محرم میں رونما ہوئے۔ یہ واقعات محض اتفاقی یا حادثاتی نہ تھے۔ بلکہ قسامِ ازل کا اٹل فیصلہ تھا جو ہونا تھا اور ہو کر رہا۔ چنانچہ:

(۱) اس ماہ میں کائنات کی تخلیق ہوئی۔

(۲) حضرت آدمؑ پیدا ہوئے۔

(۳) حضرت آدمؑ کی توبہ قبول ہوئی۔

(۴) حضرت آدمؑ کو خلافت کا تاج پہنایا گیا (انی جاعل فی الارض خلیفہ)

(۵) سیدنا ادریسؑ کو درجات عالیہ عطا ہوئے۔

(۶) کشتی نوحؑ وادی جودی پہ ٹھہری۔

(۷) سیدنا ابراہیمؑ کو منصب ومقام خلیل سے سرفراز فرمایا گیا۔

(۸) سیدنا یوسفؑ صدیق اللہ کو جیل سے رہائی ملی۔

(۹) سیدنا یعقوبؑ کی بینائی لوٹائی گئی۔

(۰۱) سیدنا یونسؑ کو مچھلی کے پیٹ سے رہائی ملی۔

(۱۱) فرعون غرقِ نیل ہوا اور موسیٰؑ کلیم اللہ کو کامیابی عطا ہوئی۔

(۲۱) سیدنا عیسیٰؑ کو آسمان پر زندہ اُٹھایا گیا۔

(۳۱) اس روز قیامت آئے گی۔

(۴۱) اسی ماہ یوم عاشورہ کو اہلِ مکہ خانہ کعبہ پر غلاف چڑھاتے تھے اور اس دن کو یوم الزینۃ کہتے تھے۔

(۵۱) اسی ماہ امام الانبیاء خاتم المعصومین سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے چند سال قبل ابرہہ بیت اللہ پر حملہ کی نیت سے نکلا۔ تو اللہ نے ابابیلوں کا لشکر بھیج کر اسے تباہ و برباد کر دیا۔

محرم الحرام اور تاریخ اسلام:

اب ہم ان واقعات پر طائرانہ نظر ڈالتے ہیں جو محرم میں رونما ہوئے:

(۱) شعب ابی طالب کی محصوری جو یکم محرم ۴ نبوی۔

(۲) نکاح سیدہ فاطمہ الزہراء ہمراہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ۲ھ۔

(۳) غزوہ غطفان ۳ ہجری۔

(۴) نکاح ام کلثومؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمراہ عثمان غنیؓ۔

(۵) سلاطین عالم کو دعوت اسلام ۷ ہجری۔

(۶) غزوہ خیبر ۷ ہجری۔

(۷) وفد اشعرین کا قبول اسلام ۷ ہجری۔

(۸) نکاح ام المومنین سیدہ صفیہؓ ہمراہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۹) غزوہ وادی القریٰ ۷ ہجری۔

(۰۱) عام الوفود ۹ ہجری۔

(۱۱) تقرر عاملین زکوٰۃ ۹ ہجری۔

(۲۱) طاعونِ عموس ۸۱ ہجری۔

(۳۱) امارتِ سیدنا امیر معاویہؓ ۹۱ ہجری۔

(۴۱) خلافت سیدنا عثمان غنیؓ یکم محرم ۴۲ ہجری۔

(۵۱) فتح قبرص ۸۲ھ۔

(۶۱) خلافت سیدنا علی المرتضیٰؓ ۳۴ ہجری۔

(۷۱) جنگ صفین ۳۷ھ۔

(۸۱) فتوحات افریقہ ۴۵ھ۔

(۹۱) ابو مسلم کا خراسان پر قبضہ ۱۳۱ھ۔

(۰۲) بنو امیہ کا قتلِ عام ۳۲۱ھ۔

(۱۲) قیصر روم کی شکست ۸۳۱ھ۔

(۲۲) مسجد نبوی کی توسیع ۱۶۱ھ۔

(۳۲) مصر پر عیسائیوں کا قبضہ ۹۰۳ھ۔

(۴۲) نوحہ ماتم کی ابتداء ۲۵۳ ہجری۔

(۵۲) ہلاکو نے بغداد کو تاراج کیا ۲۵۲ھ۔

(٦٢) حکومت شیر شاہ سوریؒ ۹۴۷ہجری۔

(۲۷) دارالعلوم دیوبند کا قیام ۱۵/محرم ۱۲۸۳ھجری۔

برصغیر کی ماہ محرم میں پیدا ہونے والی چند علمی شخصیات

(۱) امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ مدفون دین پور۔

(۲) شیخ الحدیث مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹک۔

(۳) شیخ الادب مولانا محمد اعزاز علیؒ مدرس دارالعلوم دیوبند۔

(۴) حافظ الحدیث مولانا عبداللہ درخواستیؒ مدفون دین پور۔

(۵) مفتی عبدالحکیم سکھرویؒ۔

محرم الحرام میں وفات یا شہادت پانے والی چند شخصیات

(۱) سیدنا ابوعبیدہؓ بن الجراح۔

(۲) شہادتِ سیدنا علیؓ و سیدنا عمر فاروقؓ۔

(۳) شہادت سیدنا ابوایوب انصاریؓ۔

(۴) سیدنا عبدالرحمٰنؓ بن ابی بکر صدیقؓ۔

(۵) سیدنا سعدؓ بن ابی وقاصؓ۔

(٦) اُم المومنین سیدہ جویریہؓ۔

(۷) سیدنا سمرہؓ بن جندب۔

(۸) شہادتِ سیدنا حسینؓ ابن علی المرتضیٰؓ۔

(۹) سیدنا عبداللہ بن عمر فاروقؓ۔

(۰۱) حضرت یوسفؒ بن تاشقین۔

(۱۱) حضرت بابا فرید گنج شکرؒ۔

(۲۱) مرزا مظہر جانِ جاناںؒ۔

(۳۱) علامہ انور شاہ کشمیریؒ۔

(۴۱) مولانا میاں سید اصغر حسینؒ۔

(٦۱) مولانا محمد احمد تھانویؒ۔



عادتیں نسلوں کا پتہ دیتی ہیں

سید شرجیل احمد قریشی

عادات، اخلاق اور طرز عمل خون اور نسل دونوں کی پہچان کرادیتے ہیں۔ چنانچہ: ایک بادشاہ کے دربار میں ایک اجنبی نوکری کی طلب لئے حاضر ہوا، قابلیت پوچھی گئی، کہا: سیاسی ہوں۔ (عربی میں سیاسی، افہام وتفہیم سے مسئلہ حل کرنے والے معاملہ فہم کو کہتے ہیں) بادشاہ کے پاس سیاست دانوں کی بھر مار تھی، اسے خاص ''گھوڑوں کے اصطبل کا انچارج'' بنالیا گیا، جو حال ہی میں فوت ہو چکا تھا۔ چند دن بعد بادشاہ نے اس سے اپنے سب سے مہنگے اور عزیز گھوڑے کے متعلق دریافت کیا۔ اس نے کہا ''نسلی نہیں ہے'' بادشاہ کو تعجب ہوا، اس نے جنگل سے سائیس کو بلاکر دریافت کیا، اس نے بتایا کہ گھوڑا تو نسلی ہے لیکن اس کی پیدائش پر اس کی ماں مرگئی تھی، اس لئے یہ ایک گائے کا دودھ پی کر اس کے ساتھ پلا ہے۔

مسئول کو بلایا گیا اور پوچھا گیا کہ ''تم کو کیسے پتا چلا کہ گھوڑا نسلی نہیں ہے؟'' اس نے کہا: جب یہ گھاس کھاتا ہے تو گائیوں کی طرح سر نیچے کرکے کھاتا ہے جبکہ نسلی گھوڑا گھاس منہ میں لیکر سر اٹھا لیتا ہے۔

بادشاہ اس کی فراست سے بہت متأثر ہوا اور اس کے گھر اناج، گھی، بھنے دنبے، اور پرندوں کا اعلیٰ گوشت بطور انعام بھجوایا۔ اس کے ساتھ ساتھ اسے ملکہ کے محل میں تعینات کردیا۔

چند دنوں بعد بادشاہ نے مصاحب سے بیگم کے بارے رائے مانگی۔ اس نے کہا: طور واطوار تو ملکہ جیسے ہی ہیں لیکن شہزادی نہیں ہے۔ بادشاہ کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ اس نے فوراً اپنی ساس کو بلا یا اور معاملہ اس کے گوش گزار کیا۔ ساس نے تصدیق کردی اور کہا: حقیقت یہ ہے کہ تمہارے باپ نے میرے خاوند سے ہماری بیٹی کی پیدائش پر ہی رشتہ مانگ لیا تھا لیکن ہماری بیٹی 6 ماہ کی عمر میں ہی فوت ہو گئی تھی۔ چنانچہ ہم نے تمہاری بادشاہت سے قریبی تعلقات قائم کرنے کے لئے کسی اور کی بچی کو اپنی بیٹی بنالیا۔ بادشاہ نے مصاحب سے دریافت کیا کہ اسے ملکہ کے شہزادی نہ ہونے کا کیسے علم ہوا؟ تو اس نے کہا: ملکہ کا خادموں کے ساتھ سلوک جاہلوں سے بھی بدتر ہے۔ شہزادیاں ایسے سلوک نہیں کیا کرتیں۔

بادشاہ اس کی فراست سے خاصا متاثر ہوا۔ ایک بار پھر بہت سا اناج اور بھیڑ، بکریاں اُسے بطور انعام دیں اور اسے اپنے دربار میں متعین کردیا۔ کچھ وقت گزرا تو مصاحب کو پھر بلا بھیجا اور اپنے بارے میں دریافت کیا۔ مصاحب نے کہا: جان کی امان کا وعدہ دیجیے! بادشاہ نے وعدہ کیا تو مصاحب بولا: نہ تو

تم بادشاہ زادے ہو اور نہ تمہارا چلن بادشاہوں والا ہے۔

بادشاہ کو تاؤ آ گیا مگر جان کی امان دے چکا تھا۔سیدھا والدہ کے محل پہنچا، والدہ نے کہا یہ سچ ہے۔ تم ایک چرواہے کے بیٹے ہو۔اصل میں ہمارے اولاد نہیں تھی تو تمہیں لے کر پالا تھا۔

بادشاہ نے مصاحب کو بلایا اور پوچھا کہ اسے کیسے معلوم ہوا؟۔اس نے کہا: بادشاہ جب کسی کو انعام و اکرام دیا کرتے ہیں تو ہیرے، موتی اور جواہرات کی شکل میں دیتے ہیں لیکن آپ بھیڑ، بکریاں اور دیگر کھانے کی چیزیں عنایت کرتے ہیں۔ یہ اسلوب بادشاہ زادے کا نہیں ہوتا، بلکہ کسی چرواہے کے بیٹے کا ہی ہوسکتا ہے۔

آج ہماری سیاست میں جس طرح کی زبان بلکہ یوں کہوں کہ گندی زبان استعمال کی جارہی ہے میں اس بات پر حیران ہوں کہ اس ملک کے ادیب، دانشور اور وہ لوگ جو اس ملک میں ایک یونیورسٹی کا درجہ رکھتے ہیں وہ خاموش تماشائی بن کر یہ سب کچھ کیسے برداشت کررہے ہیں؟

آخر کیوں ہماری عادتیں اور اخلاق اس قدر گراوٹ کا شکار ہے کہ ہماری حرکتیں اس بات کی ترجمانی کرتی نظر آتی ہیں؟ افسوس کہ آج کل کے اس نام نہاد معاشرے میں نہ ہمیں اپنے اخلاق کا پاس ہے اور نہ اپنی آنے والی نسلوں کا فکر۔

ہم اس بات سے قطع نظر کہ ہمارے منہ سے نکلے الفاظ دوسروں کو ہمارے خاندان اور نسل کا پتا بتاتے ہیں، ہم بس اس بات پر زور دیتے نظر آتے ہیں کہ الفاظ کچھ بھی ہوں بس ہماری بات سنی جائے چاہے تعمیری ہو یا تخریبی۔

ہماری سیاست میں اب یہ معمول بن چکا ہے کے سامنے والے کو اپنا گرویدہ کرنے کے بجائے اس کی پگڑیاں اچھالی جائیں۔ اس کو بھرے پنڈال میں ذلیل اور رسوا کیا جائے، اس کے گھریلو حالات پر چٹکیاں لی جائیں، اس کی پریشانیوں پر کف افسوس ملنے کے بجائے تالیاں بجائی جائیں۔

اپنے بچوں کو دل وجان سے لگایا جائے اور دوسروں کے بچوں کو دیکھ ہی ناک بھوں چڑھ جائے، اپنے کاموں اور کارناموں کو حرف آخر سمجھا جائے جب کہ دوسروں کی دن رات کی محنت ومشقت کو خاطر میں نہ لایا جائے۔خود پر کوئی پریشانی آئے تو چاہیں کہ سب لوگ ملنے آویں اور دوسروں کی پریشانی پر خیر خیریت پوچھنے کی بھی ضرورت نہ سمجھی جائے .... یہ کیسا طرز زندگی ہے؟...... یہ کیسا انداز گفتگو ہے؟ سچ ہے کہ ہمارا کردار اور ہماری گفتار ہماری نسلوں کا پتہ دیتی ہیں۔

زندگی کو پرکشش بنایئے

پیشکش: شعیب احمد

☆ زندگی کو ہمیشہ مسکرا کر گزارو کیونکہ تم نہیں جانتے کہ یہ کتنی باقی ہے۔
☆ سورج کی طرح اپنی شخصیت بناؤ جو ہمیشہ کرنیں بکھیرتا ہے۔
☆ جو کانٹے بکھیرے تو تم اس کی راہ میں پھول بکھیرو۔
☆ معاف کر دینے سے آدمی کی روح پاک ہو جاتی ہے۔
☆ غصے کا بہترین علاج خاموشی ہے۔
☆ شرم کی کشش، حسن سے زیادہ ہوتی ہے۔
☆ انسان کے لیئے سب سے مشکل کام خدا کی پہچان ہے۔
☆ شکر سے نعمتوں کو دوام حاصل ہوتا ہے اور کفران کو کھینچ لیتا ہے۔
☆ نہایت خوشحالی اور نہایت بدحالی برائی کی طرف لے جاتی ہے۔
☆ رازوں کو پوشیدہ رکھنے والے گویا اپنی سلامتی کو اپنے قبضے میں رکھتے ہیں۔
☆ جھوٹوں کے گھروں سے برکتیں اٹھا لی جاتی ہیں۔
☆ توبہ کی امید پر گناہ کرنے والا بدترین ہے۔
☆ حسد کو اپنے قریب بھی نہ آنے دو۔
☆ سخاوت کرنے سے ہی نعمت ملتی ہے۔
☆ خود پسندی اور تکبر بڑے گناہ ہیں۔
☆ اپنی غلطی پر یا غلط بات پر قائم رہنا ہی کم ظرفی ہے۔
☆ مومن کی نشانی یہ ہے کہ مصیبت کو ہنس کر قبول کرتا ہے۔

☆☆☆

شاندار محل کا خوفناک انجام

محمد ارفع سعیدی

اندلس کے مسلم حکمرانوں میں سلطان عبدالرحمان ثالث بہت مشہور ہے- وہ 300ھ میں تخت سلطنت پر بیٹھا اور 350ھ میں بہتر سال کی عمر میں وفات پائی- اس کی ایک عسائی بیوی تھی جس کا نام زہرا تھا- سلطان نے اپنی اس بیوی کے نام پر قرطبہ کے کنارے ایک شاندار محل تعمیر کیا اور اس کا نام الزہرہ رکھا- چار میل لمبا اور تین میل چھوڑا یہ محل اتنا بڑا تھا کہ اس کو قصر الزہرہ کے بجائے مدینۃ الزہرہ کہنے لگے- اس محل کی تعمیر 325ھ میں شروع ہوئی اور پچیس سال میں 350ھ میں مکمل ہوئی- المقری نے اس محل کی جو تفصیلات لکھی ہیں اس کے لحاظ سے یہ محل الف لیلہ کا کوئی طلسماتی شہر معلوم ہوتا ہے-

اس محل کے بنانے پر دس ہزار معمار، چار ہزار اونٹ اور خچر روزانہ کام کرتے تھے- اس میں 4316 برج اور ستون تھے- سنگ مرمر اور دوسرے بہت سے قیمتی سامان فرانس، ترکی، یونان، شام اور افریقہ کے ملکوں کے بادشاہوں نے بطور تحفہ دئے تھے- اس کے چھتوں میں سونے چاندی کا کام اس کثرت سے کیا گیا تھا کہ دیکھنے والوں کی آنکھ چمکتی تھی- اس محل کے انتظام اور نگرانی کے لئے 13750 ملازم مقرر تھے- اس کے علاوہ 13382 غلام تھے- حرم سرا کے اندر چھ ہزار عورتیں خدمت گزاری کے لئے حاضر رہا کرتی تھیں- سارا قصر باغات اور فواروں سے گلزار رہتا تھا- یورپ اور دوسرے ملکوں کے سیاح کثرت سے اس کو دیکھنے کے لئے آتے رہتے تھے-

مگر اس عظیم محل کا انجام کیا ہوا؟ ۲۵؍سال میں موجودہ معیار سے ایک کھرب روپیہ سے بھی زیادہ میں بننے والا محل صرف پچاس سال میں ختم ہو گیا- اندلس کے مسلم حکمرانوں کے باہمی اختلافات کی وجہ سے عیسائیوں نے ان کے اوپر قابو پا لیا اور ان کو شکست دے کر ان کے نام ونشان تک کو مٹا ڈالا، قرطبہ کا الزہرہ کھنڈر بنا دیا گیا- اس کے بعد اس پر زمانہ کی گرد پڑتی رہی- یہاں تک کہ وہ نظروں سے غائب ہو گیا- موجودہ زمانہ میں اس مقام پر کھدائی کی گئی ہے- مگر کھدائی کرنے والوں کو وہاں ٹوٹی ہوئی نالیوں کے سوا اور کچھ نہیں ملا-

دنیا میں عیش وآرام کے نشانات کو مٹا کر خدا دکھاتا ہے کہ اس کی نظر میں یہاں کے عیش وآرام کی کوئی قیمت نہیں، مگر کوئی آدمی اس سے سبق نہیں لیتا- ہر بعد والا عین اسی مقام پر اپنا عیش خانہ بنانے میں مصروف ہو جاتا ہے جہاں اس کے پیش رو کا عیش خانہ برباد ہوا تھا-

دو بادشاہ دو واقعات

فاروق احمد اعظم مظاہری

(۱) سیدنا عمرؓ بن خطاب:

سیدنا عمر بن خطاب عظیم الشان خلیفہ راشد ہیں۔آپ کے دور کا واقعہ ہے کہ آپ ایک بار جمعہ پڑھانے کے لیے جارہے تھے کہ راستے میں مدینہ منورہ کی گلیوں سے گزرتے ہوئے ایک پرنالے کے پاس سے آپ کا گزر ہوا جو نبی کریم ﷺ کے چچا سیدنا عباس کے گھر کے اوپر لگا ہوا تھا۔ پرنالے سے گندا پانی گر رہا تھا۔ جب آپ ﷺ پرنالے کے پاس سے گزرے تو آپ کے کپڑوں پر گندے پانی کے چھینٹے پڑ گئے۔عمر ﷺ بن خطاب نے حکم دیا کہ یہ پرنالہ راستے میں گزرنے والوں کے حق کو متاثر کررہا ہے،اس لیے اس کو اکھاڑ دیا جائے، چنانچہ حکم کی تعمیل ہوئی۔

سیدنا عباس کو جب یہ پتہ چلا کہ امیرالمؤمنین نے پرنالہ اکھڑوا دیا ہے تو حضرت عمر بن خطاب سے فرمایا کہ اس پرنالے کو اس مقام پر رسول اللہ نے نصب کروایا تھا، آپ نے ایسا کیوں کیا؟ یہ سنتے ہی سیدنا عمر ﷺ بن خطاب شدید رنج کا شکار ہوگئے اور اپنے حکم پر افسوس کا اظہار کرنے لگے۔

خلیفہ راشد نے آپ ﷺ کے چچا عباسؓ سے کہا کہ اے عباسؓ! تم لازماً میری کمر پر چڑھ کر اس پرنالے کو وہیں نصب کردو جہاں سے اس کو اکھاڑا گیا ہے۔پھر سیدنا عباسؓ امیرالمؤمنین کی کمر پر چڑھے اور اس پرنالے کو وہیں پر لگا دیا جہاں سے اکھاڑا گیا تھا۔

ایسے ہی سیدنا عمرؓ بن خطاب کی سیرت میں ایک اور اہم واقعہ آتا ہے۔آپؓ جب خلیفہ تھے تو کسی معاملے میں سیدنا ابی بن کعبؓ کا ان سے اختلاف ہوگیا۔سیدنا عمرؓ بن خطاب اپنے بارے میں خود فیصلہ کرنے کی بجائے قاضی وقت زید بن ثابتؓ کے پاس پیش ہوئے۔

مدعی ابی بن کعبؓ تھے اور مدعا علیہ امیرالمؤمنین حضرت عمرؓ تھے۔ابی بن کعبؓ نے جب دعویٰ کیا تو اپنے دعوے پر انہوں نے ایک دلیل پیش کی۔اور شرعی اصول یہ ہے کہ جب کسی کے خلاف دعویٰ کیا جاتا ہے تو وہ دلیل سے تردید کرے، ورنہ اسے قسم کھانا پڑتی ہے۔زید بن ثابتؓ نے امیرالمؤمنین کا احترام

کرتے ہوئے اُن سے قسم کا مطالبہ نہ کیا، اوران کے انکار کو ہی کافی جانا کہ خلیفہ نے چونکہ انکار کر دیا ہے کہ میں نے یہ کام نہیں کیا، بس یہی کافی ہے۔

جب قاضی زید بن ثابتؓ نے اتنا معمولی سا امتیاز برتا تو حضرت عمرؓ قاضی سے ناراض ہوئے اور خود قسم اُٹھائی کہ مجھ پر مدعا علیہ ہونے کے ناطے یہ واجب تھا کہ میں قسم اُٹھاؤں اور کہا کہ اے زیدؓ! تم اس وقت تک منصبِ قضا کیلائق نہیں ہو سکتے جب تک تمہارے نزدیک ایک خلیفہ اور عام مسلمان دونوں برابر نہ ہو جائیں۔

سیدنا علیؓ بن ابی طالب:

خلیفہ راشد سیدنا علی بن ابی طالب اسلام میں نظام عدل کو بہت زیادہ جاننے والے تھے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے میرے صحابہ! تم میں سے سب سے زیادہ عدل وقضا کے ماہر حضرت علیؓ ہیں۔

سیدنا علیؓ کے دورِ خلافت میں اُن کی ایک زرہ گم ہوگئی۔ وہ زرہ اُنہوں نے ایک یہودی کے جسم پر دیکھی۔ تو یہ قضیہ قاضی شریح کے سامنے: جو اس وقت قاضی تھے، پیش کر دیا۔ قاضی شریح نے حضرت علیؓ سے کہا کہ آپ اپنا دعویٰ ثابت کیجئے۔ حضرت علیؓ پر شرعاً واجب تھا کہ وہ گواہ پیش کرتے کہ یہ زرہ کیسے اُن کی ہے۔ سو اُنہوں نے گواہی کیلیے اپنے غلام قنبر کو پیش کر دیا۔

قاضی شریح نے کہا کہ ایک گواہی تو ہوگئی لیکن آپ کو دو گواہیاں پیش کرنا ہیں۔ دوسری گواہی کے لیے سیدنا علیؓ نے اپنے دو بیٹوں حسن وحسین رضی اللہ عنہما کو پیش کیا۔

قاضی شریح نے کہا: اے امیر المؤمنین! اسلام کے نظام عدل میں باپ کے حق میں بیٹے کی گواہی قابل قبول نہیں ہے۔ سیدنا علیؓ نے فرمایا کہ یہ دونوں بیٹے تو وہ ہیں جن کی شان زبان رسالت سے بیان ہوئی ہے کہ دونوں نوجوانان جنت کے سردار ہیں۔

قاضی شریح نے نبی کریم ﷺ کے اس فرمان کو تسلیم کرنے کے باوجود، اس کو ان کی فضیلت ہی پر محمول کیا اور کہا کہ اس سے شرع اسلامی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ چنانچہ قاضی شریح نے باپ حضرت علیؓ کے حق میں اُن کے دو بیٹوں کی گواہی قبول نہ کی اور فیصلہ کر دیا کہ یہ زرہ یہودی کے پاس ہی رہے گی۔

جب یہودی نے یہ بات سنی تو بے ساختہ بول اٹھا: واللہ! یہ تو پیغمبرانہ عدل ہے۔ ایسا عدل تو میں نے کبھی نہیں دیکھا، چنانچہ یہودی انصاف پر مبنی فیصلہ دیکھ کر مسلمان ہو گیا۔

حضرت لقمان کی بیٹے کو نصیحت

مرسلہ: محمد اروع سعیدی

حضرت لقمان اپنے بیٹے کو نصیحت فرماتے ہوئے کہتے ہیں:

1۔ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا۔

2۔ ماں باپ کے ساتھ ادب سے پیش آنا، ان کے ساتھ اچھا سلوک کر کہ تیری ماں نے تجھے پیدائش سے قبل بڑی مشقت میں اٹھائے رکھا، پھر اس کے بعد دو برس تک تجھے دودھ پلایا۔ تجھے لازم ہے کہ میرا اور اپنے والدین کا شکر ادا کر۔ آخر کار تجھے میرے پاس لوٹنا ہے۔

3۔ اپنے والدین کی ہر بات میں اطاعت کر، الا یہ کہ وہ تجھے شرک پر مجبور کریں۔ دنیا میں والدین کے ساتھ احسان سلوک کر (یعنی ان کی کدمت کر، ان کی صحبت میں رہتے ہوئے)

4۔ ظلم یا برائی خواہ کتنے ہی پردوں میں چھپے ہوں یا کتنے کم کیوں نہ ہوں، خدا ان کو دیکھتا اور جانتا ہے اور وہ روز قیامت ان کو نکال کر نامہ اعمال میں سامنے رکھ دے گا۔

5۔ نماز قائم کرنا اور اچھے کاموں کی نصیحت کرتے رہنا۔

6۔ کوئی مصیبت آجائے تو آہ زاری کرنے کی بجائے اس پر صبر کرنا۔

7۔ زمین پر اکڑ کر نہ چلنا کیونکہ اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔

8۔ اپنی رفتار میں میانہ روی رکھو اور چیخ چلا کر نہ بولا کرو۔ اپنی آواز کو مدھم رکھو کیونکہ آوازوں میں سے سے بدترین آواز گدھے کی ہے۔

آپ ﷺ نے اولاد کی تربیت کس انداز سے کی، اس کے پس منظر کو غور سے دیکھنا ہوگا۔

نابالغ بچی کا لباس

(ماخوذ)

ایسی لڑکی جسے نہ تو حیض آتا ہے، نہ ہی اس کے سینے کا ابھار نمایاں ہوا ہے، نہ ہی اس کا قد اوسط عمر کی عورت کے قد کے برابر ہے۔ نہ ہی اس کی عمر تیرہ سال تک پہنچی ہے اس کے لیے لباس کیسا ہو؟

مذکورہ علامات سے مستثنیٰ بچیاں چہرے کے پردے کی مکلّف نہیں ہیں۔

البتہ نو، دس سالہ بچی کو پردہ کرنے کا کہا جائے گا تا کہ اسے عادت پڑ جائے۔ جیسے کہ نماز کا حکم سات سال میں، سختی دس سال میں اور اصل مکلّف بالغ ہونے پر ہوتا ہے۔

شیخ محمد بن ابراہیم ایک فتویٰ میں کہتے ہیں: بچی اگر صغیرہ ہے جس کی عمر سات سال تک نہیں پہنچی تو اس کا پردہ معتبر ہوگا جیسا کہ فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے۔ اگرچہ اس کا پردہ اس سے بڑی عمر کی لڑکی یا عورت سے مختلف ہوگا۔ (فتاویٰ برائے خواتین اسلام، ص: ۹۴۷)

سات سال تک پہنچ جانے والی بچی کو لباس ساتر عورت جیسا پہنایا جائے گا۔ پورے بازو کی قمیص، بند گلا، ٹخنوں کے نیچے تک شلوار۔ اسے یہ عادت بھی ڈالی جائے گی کہ وہ سر پر دوپٹہ رکھے، آٹھ دس سال کی عمر تک اسے زبردستی دوپٹہ اوڑھے رکھنے کا کہا جائے گا البتہ اس عمر تک اگر اس کی اوڑھنی نامحرم یا محرم مردوں یا عورتوں کے سامنے اتر جائے تو اسے گناہ بھی نہیں ہوگا۔

نابالغ بچی کو سادہ اور عمومی زیورات پہنائے جائیں گے، مثلاً چوڑیاں، بالیاں، لاکٹ، پازیب وغیرہ۔ لیکن اسے شادی شدہ عورتوں والے زیورات جھومر، نتھ، گلے کے بڑے بڑے ہار، کانوں کے بھاری زیور نہیں پہنائے جائیں گے۔ سرمہ اور مہندی کے علاوہ دیگر کسی چیز سے اس کی زیب و زینت نہیں کی جائے گی۔ نہ ہی اسے بھڑکیلے، چمکیلے اور دلہنوں جیسے خوشنما کپڑے پہنائے جائیں گے۔ اسے سادہ اور صاف کپڑے پہنائے جائیں گے۔ کیونکہ یہ ساری چیزیں اصلاً شوہر کا حق ہیں۔ یا وہ عورت جو شوہر کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ نیز یہ چیزیں مردوں کو فتنہ میں ڈالتی ہیں۔ اس لیے ان بوڑھی عورتوں کو بھی حجاب کرنے کا حکم دیا گیا ہے جن میں بننے سنورنے، میک اپ کرنے، خوش رنگ، خوش نما لباس پہننے کی خواہش موجود ہوتی ہے۔

اگر بچیوں کو بنایا سنوارا جائے، زینت والے کپڑے پہنائے جائیں، بالوں کو پرکشش طریقے سے

بنایا سنوارا جائے، لپ اسٹک، سرمہ، کریم، رنگین اور خوش بودار پاؤڈر، ڈیزائنوں والی مہندی، وغیرہ لگائی جائے تو انھیں پردہ بھی مکمل (عورتوں جیسا) کروایا جائے گا۔

دورِ حاضر میں بچیوں کو بڑی عورتوں والے فیشن کرانا ایک عام رواج بن چکا ہے۔عورتوں نے فتنوں کو خود اتنا بڑھا دیا ہے کہ الامان! جب مائیں بیوٹی پارلر سے تیار ہو کر آتی ہیں تو وہ اپنی سات سات آٹھ آٹھ سالہ بچیوں کو بھی وہیں سے تیار کرواتی ہیں یا بچیاں تیار ہونے کی ضد کرتی ہیں۔نتیجہ یہ کہ پانچ پانچ، چھ چھ سال کی بچیوں کے ساتھ درندگی کے واقعات رونما ہو رہے ہیں لہٰذا فتنوں سے بچنے کے لیے بچیوں کو سادہ اور ساتر لباس پہنانا چاہیے اور انہیں گھروں سے باہر بھی کم ہی نکلنے دینا چاہیے۔

وہ بچیاں جن کی عمر سات سال سے کم ہوتی ہے ان کے لیے نہ پردہ ہے نہ ستر لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ انہیں ننگا رکھا جائے یا دوسرے لوگوں کے سامنے انہیں کپڑے بدلوائے جائیں۔

ان بچیوں کو دوپٹے کے بغیر اور کبھی دوپٹے کے ساتھ ڈھیلا ڈھالا لباس پہنایا جائے گا۔البتہ اگر وہ مختصر بھی ہو تو کوئی ہرج نہیں یعنی بازو چھوٹے ہیں یا شلوار ٹخنوں سے اوپر ہے یا قمیض کی لمبائی چھوٹی ہے یا کسی وقت گلے کا کپڑا اتار دیا ہے اور صرف ناف سے گھٹنوں تک کپڑا پہنایا ہوا ہے۔

بچی میں بچپن ہی سے حیا پیدا کرنے کے لیے اسے نہ تو دوسروں کے سامنے کپڑے بدلوائیں، نہ نہلائیں، نہ ناف سے گھٹنوں تک کے حصے میں دوسروں کے سامنے دوا وغیرہ لگائیں تاکہ اسے یہ پتا ہو کہ اس جگہ کو دوسروں کے سامنے ننگا کرنا بری بات ہے۔

بچی کو ماں یا عورتیں ہی کپڑے بدلوائیں البتہ کسی مجبوری کی وجہ سے باپ یا کوئی بڑی عمر کا مرد کپڑے بدلوا سکتا ہے۔

کسی بھی مرد (باپ یا دادا وغیرہ) کو چھوٹی بچی کے ستر کی طرف نظر نہیں کرنا چاہیے الا یہ کہ کوئی مجبوری ہو۔چھوٹے بچوں اور لڑکوں وغیرہ سے بچی کے کپڑے نہ بدلوائے جائیں، نہ ہی ننگے ہو کر دوسرے بچوں کے ساتھ اسے نہانے کی اجازت دی جائے۔نہ ہی چھوٹی بچی سے چھوٹے لڑکے کا استنجا کروایا جائے کہ یہ سب بے حیائی بھی ہے اور بہت سی بری عادات کا راستہ بھی اس سے کھلتا ہے۔

بچی کے کپڑوں میں بھی یہ خیال رکھا جائے گا کہ جاندار کی تصویر نہ ہو، غیر مسلموں کے کسی شعار کی تصویر نہ ہو، لڑکوں کے مشابہ لڑکی کا لباس نہ ہو۔یاد رہے کہ بچی خود مکلّف نہیں لیکن والدین مکلّف ہیں لہٰذا اگر وہ غیر اسلامی لباس بچی کو پہناتے ہیں تو ان سے ربّ کریم اس کا مواخذہ بھی کرے گا۔

حلال روزی

مولانا یرید احمد نعمانی

کسب حلال اور رزق طیب کی بے شمار برکات ہیں۔ جب لقمہ حلال انسان کے پیٹ میں جاتا ہے تو اس سے خیر کے امور صادر ہوتے ہیں، بھلائیاں پھیلتی ہیں، وہ نیکیوں کی اشاعت کا سبب بنتا ہے۔ اس کے برعکس حرام غذا انسانی جسم کو معطل کر دیتی ہے۔ نور ایمانی بجھ جاتا ہے، دل کی دنیا ویران و بنجر ہو جاتی ہے۔ شیطان اس کے قلب پر قابض ہو جاتا ہے۔ پھر ایسا شخص معاشرے کے لیے موذی جانور بن جاتا ہے۔ جس منہ کو حرام کی لت لگی ہو، اس سے بھلا امور خیر کیسے اور کیوں کر انجام پا سکتے ہیں۔ حلال وحرام کا یہ کھلا فرق اس حد تک اثر انداز ہوتا ہے کہ طیب و پاکیزہ کمائی کھانے والا عنداللہ مقبول و مستجاب بن جاتا ہے؛ جب کہ حرام وخبیث کو جز و بدن بنانے والا، اللہ تعالیٰ کے ہاں مردود و مطرود ٹھہرتا ہے۔ اسی بات کو کئی احادیث مبارکہ میں وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ آیت (یا ایھا الناس کلوا الخ) اللہ کے حبیب علیہ السلام کے روبرو تلاوت کی۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور فرمایا: ''یا رسول اللہ! میرے لیے اللہ تعالیٰ سے مستجاب الدعوات بننے کی دعا فرما دیں۔'' آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''اے سعد! اپنا کھانا پاکیزہ اور حلال رکھو۔ تم مستجاب الدعوات بن جاؤ گے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں محمد کی جان ہے! حقیقت یہ ہے کہ جو آدمی اپنے پیٹ میں حرام کا لقمہ ڈالتا ہے تو چالیس دن تک (اس کی عبادات) قبول نہیں کی جاتیں۔ جس بندے کی نشو و نما حرام اور سود کے مال سے ہوئی ہو، جہنم کی آگ اس کے زیادہ لائق ہے۔'' (ابن کثیر: ۱/۲۶۲)

ایک دوسری حدیث مبارکہ میں، جو حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مال حرام کی قباحت و شناعت کو اس انداز میں ذکر فرمایا: ''بے شک اللہ تعالی پاک ہیں اور پاکیزہ مال ہی قبول فرماتے ہیں۔ اور اللہ رب العالمین (اپنے) مومن بندوں کو بھی اسی چیز کا حکم دیتے ہیں، جس کا حکم اپنے پیغمبروں کو دیا۔ پھر آپ علیہ السلام نے قرآن مجید کی یہ آیات تلاوت فرمائیں: یا ایھا الرسل

کلوا من الطیبات واعملوا صالحا (اے رسولو! پاکیزہ اور حلال چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو) **یا ایھا الذین امنوا کلوا من الطیبات ما رزقنکم** (اے اہلِ ایمان! جو رزق ہم نے تمہیں دیا ہے، اس میں سے پاکیزہ اشیاء کھاؤ)

اس کے بعد آپ ﷺ نے ایک ایسے آدمی کا تذکرہ فرمایا جو لمبے سفر میں پراگندہ حال اور غبار آلود (ہوتا) ہے۔ اور وہ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہوئے کہہ رہا ہو 'اے میرے رب! اے میرے رب!'' جب کہ (حقیقت حال یہ ہو کہ) اس کا کھانا، پینا اور اوڑھنا (سب) حرام ہے۔ اور حرام کی غذا اسے مل رہی ہو سو اس حالت میں اس کی دعائیں کیسے قبول ہو سکتی ہیں؟'' (مشکوٰۃ:۱۴۲)

دیکھا جائے تو آج اکثر و بیشتر زبانوں پہ یہ شکوہ رہتا ہے کہ ''اتنی دعائیں مانگتے ہیں پھر بھی ہماری حالت تبدیل نہیں ہوتی''؛ حالاں کہ تھوڑے تدبر و تفکر سے کام لیا جائے تو ہمیں اپنے معاشرہ اور ماحول میں کسب حلال کی فکر و سوچ ہی مفقود نظر آتی ہے۔ عمومی فضا یہ بن چکی ہے کہ خواہشات کو ضروریات کا درجہ دے دیا گیا ہے؛ جب کہ انسانی خواہش تو بحرِ بے کنار کی مانند ہے۔ دنیا میں ہر آرزو اور تمنا پوری ہو جائے یہ ناممکن ہے۔ مستزاد یہ کہ ان لامحدود تمناؤں کو پورا کرنے کے لیے ہمارے درمیان ایک دوڑ لگی ہوئی ہے۔ ایک ہی خاندان میں شوہر کی خواہشیں الگ ہیں بیوی کی الگ۔ اولاد کسی اور چیز کے حصول کی امیدیں لگائی بیٹھی ہے تو ماں باپ کسی دوسری فکر میں ہلکان ہوئے جا رہے ہیں، مال جمع کیا جا رہا ہے۔ اور اس میں یہ نہیں دیکھا جاتا کہ ذریعۂ آمدنی حلال ہے یا حرام، جائز ہے یا ناجائز، طیب ہے یا خبیث، حدودِ شرع کے اندر ہے یا باہر۔ یہ بالکل وہی صورت حال ہے، جسے آپ ﷺ نے چودہ سو برس قبل بیان فرمایا تھا کہ: ''لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا، جس میں انسان اس بات کی طرف دھیان نہیں دے گا کہ وہ جو مال حاصل کر رہا ہے؛ حلال ہے یا حرام۔'' (مشکوٰۃ:۱۴۲)

جب انسان اکلِ حلال کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ صبر و قناعت، زہد و ایثار اور جفاکشی کی جگہ حرص و ہوس اور عیش کوشی کو اپنا مطمحِ نظر بنا لیتا ہے تو اللہ رب کریم کی طرف سے نازل ہونے والی برکت ختم ہو جاتی ہے۔ جس کے بعد کثرت بھی قلت محسوس ہونے لگتی ہے۔ ایسے شخص کو قارون کا خزانہ بھی مل جائے تو وہ اسے کم تر جانتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ جب اپنے ناپاک مال میں سے اللہ کے راستے میں خرچ کرتا ہے تو وہ اس سے قبول نہیں کیا جاتا۔ اس کے علاوہ یہ حرام بینک بیلنس جب تک اس کی ملکیت میں پڑا رہتا ہے، اس کے لیے دوزخ کی راہ ہموار کرتا رہتا ہے۔ آپ ﷺ نے ایک حدیث مبارکہ میں اس

حوالے سے یوں ارشاد فرمایا: ''بندہ مال حرام کما کر (جب) اس میں سے اللہ کے راستے میں کچھ خرچ کرتا ہے تو وہ اس سے قبول نہیں کیا جاتا۔ اسی طرح (جب وہ مال حرام اپنی ذات پر خرچ کرتا ہے تو) اس میں اس کے لیے برکت پیدا نہیں کی جاتی۔ اور (اگر) اس مال حرام کو (ذخیرہ کی نیت سے) اپنے پاس محفوظ رکھتا ہے تو وہ اس کے لیے جہنم کا زادِراہ بن جاتا ہے۔ یادرکھو! اللہ تعالیٰ برائی کو برائی سے نہیں؛ بلکہ اچھائی سے برائی کو مٹاتے ہیں؛ کیوں کہ خبیث چیز خبیث کو نہیں ختم کر سکتی۔'' (مشکوٰۃ:۲۴۲)

حضرت مولانا احمد علی سہارنپوریؒ اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں: ''حرام مال سے صدقہ اور انفاق گناہ ہے اور یہ اُس گناہ کو نہیں مٹا سکتا جو کسب حرام سے حاصل ہوا ہے۔'' (حاشیہ مشکوٰۃ:۲۴۲)

ماں! تجھے سلام

حلیمہ عرفان

ماں......وہ عظیم ہستی ہے کہ جو اپنی جان پر بڑے سے بڑا صدمہ برداشت کر جاتی ہے۔ پر اس کے کسی جگر کے گوشے کو ذرا بھی تکلیف پہنچے تو وہ تڑپ جاتی ہے۔ ماں۔۔۔ایک لفظ کس قدر مقدس اور شہد سے میٹھا ہے کہ جسے بولتے ہی منہ میٹھا میٹھا ہو جاتا ہے۔

ماں......یہ لفظ بہت سے معنی ، مطلب ،احساس اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ ممتا، پیار، محبت،خلوص،لگن،سچائی ، پاکیزگی ،سکون ،خدمت ،محنت ،عظمت ،دعا،سایہ ،دوست، ہمدرد،رہنما، استاد، بے غرض ،معصومیت،عبادت،ایمان،دیانت، بردباری، برداشت،جذبہ،جنت یہ سب تو صرف ایک ماں کی خوبیوں کی ایک جھلک ہے ورنہ اس عظیم ہستی کی خوبیاں تو اس قدر ہیں کہ لفظ ختم ہو جائیں مگر ماں کی تعریف ختم نہ ہوگی۔

ماں......ایک ایسا موضوع کہ قلم بھی جس کا احاطہ نہیں کر پاتا۔اس موضوع پر کافی کتب تو لکھی جا سکتی ہیں مگر ماں کے احسانات،احساسات اور چاہتوں کا بدلہ تب بھی نہیں چکایا جا سکتا۔

ماں......محض ایک لفظ نہیں بلکہ محبتوں کا مجموعہ ہے۔ ماں کا لفظ سنتے ہی ایک ٹھنڈی چھاؤں اور ایک تحفظ کا احساس اجاگر ہوتا ہے۔

ماں......ایک عظمت کی دیوی اور سب کچھ قربان کر دینے والی ہستی کا احساس اجاگر ہوتا ہے۔ انسانی رشتوں میں سب سے زیادہ پیار و محبت کرنے والی ہستی ماں کی ہے۔ ماں خدا کی عطا کردہ نعمتوں میں افضل ترین نعمت ہے۔والدین کے احسانات کے بارے میں سوچا جائے تو سوچ بھی ان کے احسانات کے مقابلے میں بہت پیچھے دکھائی دیتی ہے۔

ماں......ایک ہستی جو محبتوں سے مروجہ،جس کا ایک ایک لفظ مٹھاس لئے ہو،جس کی بات ہی بے مثال ہو،جس کی دعا ہر چیز سے قیمتی ہو، جو سراپا محبت وافتخار ہو، جو قدرت کا شاہکار ہو،جس کے آنسو موتی ہوں،جس کی نگاہ میں امید کے دیئے جلتے ہوں، جو تپتی دھوپ میں چھاؤں کا بیش قیمت احساس ہو۔

ماں......جس کی ہر دعا اپنے لئے نہ ہو۔جس کا دل ہر غرض سے پاک ہو،جس کی عظمت کو عرش بھی سلام کرتا ہو وہ ہے ماں۔

ماں ...... اپنی اولاد کی تکلیف کو اپنے اندر سمونے والی، کتنا حسین احساس ہے، ہر دھوپ میں ایک ٹھنڈی چھاؤں جیسا احساس۔ تازہ پھولوں کی شگفتگی، نرم کلیوں کی تازگی، چاد ہویں کے چاند کی چاندنی اور دنیا بھر کے حسین رشتوں کی محبت کو جمع کر کے بھی اگر ایک اکیلی "ماں" سے اس کا مقابلہ کیا جائے تو اس کا رتبہ سب سے بلند ہوگا اور کیوں نہ ہو، ماں نام ہی ایسے حسین رشتے کا ہے کہ اس کے آگے دنیا کی ہر شے ہیچ ہے۔ تمام تر پریشانیوں، مصیبتوں کا بوجھ اٹھانے کے باوجود وہ اپنے بچوں کے لئے ایک کومل احساس ہے۔

ماں ...... ایک بے انتہا پرسکون اور آرام دہ شجر کی مانند، جس میں پناہ گزین ہو کر اولاد خود کو دنیا میں سب سے زیادہ محفوظ تصور کرتی ہے۔ ماں ہمیں بچپن سے لے بڑے ہونے تک شفقت سے پالتی ہے۔ ماں ہی ہمیں زندگی گزارنے کی تربیت دیتی ہے۔ صحیح و غلط کی پہچان کرواتی ہے۔ زندگی کے تمام نشیب و فراز سے آگاہ کرتی ہے۔ ہماری زندگی صرف بناتی ہی نہیں بلکہ بہت احسن طریقے سے سنوارتی بھی ہے یعنی کہ ماں ایک بہترین معلّمہ ہے۔ اسلام نے بھی ماں کی محبت، وقار اور احترام کا اعتراف کیا ہے اس کی اطاعت اور خدمت کو جنت کے حصول کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب ماں کی تخلیق کی تو اسے رحمت کی چادر، پاکیزہ شبنم، دعاؤں کے خزانوں، زمین و آسمان کی وسعتوں، جذبوں، چاہتوں، چاند کی رحمت، خلوص، رحمت، راحت، برکت، عظمت، حوصلے اور ہمت کے تمام رنگوں سے مزین کیا یہاں تک کہ اس کے قدموں میں جنت ڈالی۔ محسنِ انسانیت نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کی صاحبزادی خاتون جنت فاطمۃ الزہرہ ماں کی حیثیت سے ایک زندہ کردار ہیں۔ دنیا کی عظیم ترین ہستی ماں کی ہے۔ اس کا دوسرا نام جنت ہے۔ ماں کے بغیر کائنات نامکمل ہے۔ ماں کی آغوش انسان کی پہلی درسگاہ ہے۔

اگر ماؤں کے عالمی دن کے حوالے سے بات کی جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا صرف ایک دن ماں کے نام مخصوص کر کے اس عظیم رشتے کا حق ادا کر دیا گیا ہے۔ اس کا جواب یقیناً نفی میں ہو گا۔ ماؤں کے لئے تو پورا سال ہی ہونا چاہئے۔ کیونکہ اولاد جب چھوٹی عمر میں ہوتی ہے تو اس کے لئے تو ماں نے کوئی ایک دن مخصوص نہیں کیا ہوتا۔ وہ تو پورا وقت ہی اولاد کی پرورش میں مصروف رہتی ہے تو پھر اس کے لئے محض ایک دن ہی کیوں؟ یہ رشتہ تو پوری زندگی کا احاطہ کرتا ہے۔ نوجوانوں کو چاہئے کہ وہ والدین کی قدر کریں، ان سے عزت سے پیش آئیں، ان کے سامنے اونچی آواز میں بات نہ کریں، ان کی دل جوئی کریں، غرض بڑھاپے میں ان کا اسی طرح خیال رکھیں جیسے بچپن میں وہ آپ کا رکھتے تھے کیونکہ اسی میں آپ کی دنیا و آخرت کی فلاح پوشیدہ ہے۔

مولانا محمد غزالی ندویؒ

مفتی ناصرالدین مظاہری، استاذ مظاہر علوم (وقف) سہارنپور

روئے زمین کبھی بھی اہل اللہ سے خالی نہیں رہی ہے، جس دن پورے طور پر اہل اللہ سے خالی ہوجائے گی وہی دن قیامت کا دن ہوگا، یہ بات میں اپنی طرف سے نہیں کہتا خود کونین کے سرور اور ہدایت کے پیمبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی ہے:

عن انس ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال لاتقوم الساعۃ حتی لایقال فی الارض ”اللّٰہ اللّٰہ“ (وفی روایۃ) لاتقوم الساعۃ الاعلیٰ أحدیقول اللّٰہ اللّٰہ (مسلم)

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت قائم نہ ہوگی حتی کہ زمین میں اللہ اللہ نہ کہا جاوے گا (اور ایک روایت میں ہے کہ) اس شخص پر قیامت نہ قائم ہوگی جو اللہ اللہ کہتا ہو (مسلم)

غالبؔ نے اپنے برادرزادے کے انتقال پر یہ دردناک اشعار برجستہ وقلم برداشتہ کہے تھے ؎

لازم تھا کہ دیکھو مرا رستہ کوئی دِن اور — تنہا گئے کیوں؟ اب رہو تنہا کوئی دن اور
مٹ جائیگا سَر ،گر، ترا پتھر نہ گھِسے گا — ہوں در پہ ترے ناصیہ فرسا کوئی دن اور
آئے ہو کل اور آج ہی کہتے ہو کہ جاؤں؟ — مانا کہ ہمیشہ نہیں اچھا کوئی دن اور
جاتے ہوئے کہتے ہو ”قیامت کو ملیں گے“ — کیا خوب! قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور
ہاں اے فلکِ پیر! جواں تھا ابھی عارف — کیا تیرا بگڑ تا جو نہ مرتا کوئی دن اور
تم ماہِ شبِ چار دہم تھے مرے گھر کے — پھر کیوں نہ رہا گھر کا وہ نقشا کوئی دن اور
تم کون سے ایسے تھے کھرے داد وستد کے — کرتا ملکُ الموت تقاضا کوئی دن اور
گزری نہ بہرحال یہ مدت خوش و ناخوش — کرنا تھا جواں مرگ گزارا کوئی دن اور
ناداں ہو جو کہتے ہو کہ کیوں جیتے ہیں غالب — قسمت میں ہے مرنے کی تمنا کوئی دن اور

سچ بتاؤں اور یہ سچ کہنے میں میں خود کو حق بجانب سمجھتا ہوں کہ قیامت کا بڑا دن تو صرف خدا کو معلوم

ہے لیکن ہم حرماں نصیبوں کا ہر دن قیامت کا دن ثابت ہوتا ہے، یوں بھی اللہ والے ایک ایک کر کے اتنی تیزی سے گئے ہیں کہ اب یقین ہو چلا ہے کہ اگلے دن جب آنکھ کھلے گی تو شاید ہمارے کان حضرت اسرافیل علیہ السلام کے صور سے آشنا ہو جائیں گے، وہی دن روز قیامت ہوگا، اللہ والوں کا اس تیزی کے ساتھ جانا قیامت کے قریب اور نزدیک ہونے کی علامت اور نشانی ہے۔ جوں جوں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے زمانہ دور ہوتا جاتا ہے توں توں ہم سب قیامت سے قریب ہوتے جاتے ہیں۔

دنیا کی بساط سے علم کا اٹھ جانا، علماء کے وجود سے دنیا کا محروم ہو جانا......ذاکرین وشاغلین کی کمی اور خاصۂ خاصان کی نایابی وکمیابی ......کسی ''قیامت'' سے کم نہیں ہے......ہمارے زنگ آلود دلوں، مثلِ سنگ وآہن سینوں اور سفینوں پر آج واعظین کے مواعظ بے اثر ہیں تو مقررین کی تقریریں بے سود......مفکرین کے نظریات اور علماء ومحققین کی تحقیقات، دروسِ جمعات کسی کا کوئی اثر نظر نہیں آتا......فحاشی میں اضافہ...... مساجد میں نمازیوں کی کمی......روزہ داروں کی قلت......انسانیت کا خاتمہ......شیطنت کی حکمرانی......فرعونوں کا تسلط......ظالموں کا اقتدار......یہ سب کچھ وہ جلی عناوین ہیں جو قیامت کے قرب کی علامت ہیں جن سے ہمیں سبق لینے کی ضرورت ہے......یہ علامات اللہ سے رشتہ جوڑنے اور مخلوق سے تعلق ختم کر دینے کی راہیں اور سبیلیں ہیں......اس لئے موت سے قبل موت کی تیاری ازبس ضروری ہے۔

سوشل میڈیا بھی عجیب چیز ہے، سرعت اور برق رفتاری کا مظاہرہ جو آج کی تاریخ میں اس کے ذریعہ دیکھنے میں آرہا ہے کبھی نہیں دیکھا گیا غالباً رمضان المبارک کا آخری عشرہ تھا......میرے موبائل کی اسکرین پر واٹس اپ کے ذریعہ یہ خبر ابھری:

''دارالعلوم ندوۃ العلماء کی مجلس انتظامی کے رکن اور ندوہ کے استاذ مولانا ابوبکر صدیق بھٹکلی ندوی کے والد مولانا محمد غزالی خطیبی ندوی کا انتقال پر ملال''

پھر اسی خبر کے ذیل میں دو ایک علماء کے مولانا مرحوم کے تعلق سے عقیدت مندانہ تأثرات تھے جن میں دو نمایاں نام تھے (۱) مولانا محمد فرمان ندوی (۲) محترم مولانا محمد شمیم ندوی۔

مولانا محمد فرمان ندوی نے کہا:

''مولانا مرحوم منصب رسالت کے علمبردار، مقصد تخلیق کو بحسن وخوبی ادا کرنے والے تھے، انہوں نے دعوت وتبلیغ کو اپنا اصل وظیفہ بنالیا تھا، یہی وجہ ہے کہ انکے ہر عمل سے دعوت وتبلیغ کی جھلک

نمایاں تھی''۔

مولانا محمد شمیم ندوی نے کہا:

''مولانا مرحوم لمبے عرصہ سے تبلیغی مرکز، نظام الدین دہلی سے وابستہ تھے، جامعہ اسلامیہ بھٹکل کے ایسے ہونہار، وقابل فخر فرزند تھے کہ تعلیمات اسلام ودعوت تبلیغ کے فروغ کے لئے اپنی پوری زندگی وقف کردی تھی، وہ نہایت ملنسار، حسن اخلاق، بلند کردار، سادگی پسند اوصاف حمیدہ، وگوناگوں صلاحیت کے مالک تھے، جس سے عوام خاص طور سے بھٹکل واسکے اطراف میں ان کا ایک مقام ومرتبہ، اور ہر دلعزیز تھے''۔

میں مولانا مرحوم کے حالات وکمالات، صفات وخصوصیات، مواعظ وبیانات اور زندگی کے کسی گوشے سے واقف نہ تھا لیکن چند ہی دنوں کے بعد محترم مولانا محمد ناصر اکرمی حفظہ اللہ نے فون پر دوران گفتگو مولانا مرحوم کی حیات وخدمات پر مضمون کی فرمائش کی، میں نے مولانا سے عرض کیا کہ مجھے حالات کا تفصیلی علم نہیں ہے اس لئے کچھ معلومات ارسال فرمائیں وہ تو گویا موقع کے منتظر تھے فوراً تفصیلات فراہم کردی گئیں اوراس طرح میرے لئے لکھنے کا موقع فراہم ہوگیا۔

حضرت مولانا محمد غزالی خطیبی ندوی بھٹکلی اپنی ذات میں انجمن تھے......وہ اپنی ادائے دلبری اورنوائے سنجری سے دلوں کی دنیا فتح کرنے کا ہنر جانتے تھے......وہ علم نبوی کی دولت کا مرقع اورسلوک واحسان کی دولت بے بہا سے مرصع ایسی انجمن تھے جس میں سرزمین بھٹکل کی مردم ساز ہستی ...... بزرگ رہنما حضرت ڈاکٹر علی ملپاؒ کی خواور بوتھی......حضرت مولانا عبد الباری ندویؒ خلیفہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کا جمال تھا......حضرت مولانا محمد یعقوب مجددی بھوپالیؒ کی روحانی تربیت کا کمال تھا......مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی دعاء نیم شب اور آہ سحر گاہی کا سوز وساز تھا...... مرکز حضرت نظام الدین نئی دہلی کے اکابر اہل اللہ سے تعلق اوران کی صحبتوں کا فیضان تھا......حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلویؒ کی نظر کیمیا اثر کا عکس تھا......حضرت مولانا محمد اسمٰعیل اکرمیؒ جیسی جہاں دیدہ ہستی سے للہ فی اللہ تعلقات کا پرتو تھا......جن کی دنیا اللہ اللہ سے عبارت تھی......جن کی خلوت ان کی جلوت کا پتہ دیتی تھی......جن کی سانسیں ذکر الٰہی سے تروتازہ......جن کی باتیں اللہ اوررسول اللہ کی ......جن کا اوڑھنا بچھونا دعوت الی اللہ......جن کا مقصد حیات خلق خدا کی نجاح وفلاح......جن کا مبلغ علم ایک خدا کی طرف بلانا......جن کا وعظ وبیان صرف اورصرف اللہ کی وحدانیت اوررسول اللہ کی رسالت کا ترجمان......جنھوں نے مرکز تبلیغ میں بیٹھ کر گمنامی سے راہ ورسم بڑھائی......جنھوں نے مشہورترین

اکابراہل اللہ کی خلوتوں کوجلوتوں سے اورجلوتوں کو خلوتوں سے عبارت ہوتے اور پھرعبادت بنتے دیکھا......جنھوں نے اختلافات کامکمل دوردیکھا......انتشارکافتوردیکھا......رسہ کشی کا منظردیکھا...... الزام تراشیوں کا طومار دیکھا......طوفان بدتمیزی کا بھتاریلادیکھا...... عباوقباکوداغدار دیکھا......جبہ ودستارکوبرسرپیکاردیکھا...... چھینٹاکشی دیکھی،روح کودہلادینے والے مناظردیکھے...... تقسیم کی قینچی دیکھی......حالات کی ستم ظریفی دیکھی...... ماحول کی گھٹن اورحالات کی چبھن اپنے نہاں خانہ دل میں محسوس کی لیکن مجال ہے کسی کی بیجا حمایت کرکے خودکوآلودہ کیاہو......گوشان حق نیوش نے کبھی کوئی اختلافی بات آپ کی زبان فیض ترجمان سے نہیں سنی......یہی توان کی ادائے دلبری تھی......یہی توان کی نوائے سنجری تھی......وہ پھولوں کے انبارسے نہیں کلی سے پیارکرناجانتے تھے......پھولوں کی کلی کومرجھاتے اورکمہلاتے نہیں دیکھ سکتے تھے......ستاروں کے جمگھٹ اورجھرمٹ سے محض اس لئے نظرہٹالیتے تھے......کیونکہ اس طرح آنکھیں خیرہ ہوکرنظریں بہک سکتی ہیں......وہ یک درگیرمحکم گیر‘‘ پرتاحین حیات عمل پیرارہے......انھیں ایک پھول......ایک ستارہ اورایک انسان چاہئے تھاجوان کی سعادتوں کی کمندوں کوسیل وسیلاب بناتارہے...... وہ پھول کی پتی سے پھولوں تک پہنچناجانتے تھے......وہ ایک ستارے سے رشتہ جوڑکرتمام ستاروں اورسیاروں کی کہکشاؤں تک پہنچنے کافن اورہنرجانتے تھے......اسی لئے تو بیک وقت گھاٹ گھاٹ کاپانی نہیں پیا......جب جوچشمہ خشک اورسوتازمین کی تہوں میں اتراآپ نے دوسرے سوتے اورچشمے سے دامن کووابستہ کرلیا......اور......اس طرح ان کی سیمابی سرشت کااحساس مکمل ہوکرلوگوں کے سامنے آیا......انھوں نے ہردورمیں کائنات کی اہم ہستی سے رجوع کیاکیونکہ انھیں پتہ تھاکہ اگرمیں ایک انسان کواپنےفن......اپنی اصلاح اوراپنے دل کی دنیاروشن اورفکرکی کھیتی سیراب کرنے کامرکزبناؤں گا توہبوط آدم سے موجودہ دورتک انسانی سفرکی ارتقائی منزلیں سامنے ہوسکیں گی......میراتعلق اس سلسلۃ الذہب سے مربوط ہوسکے گاجس کی جڑیں زیرزمین اورجس کی شاخیں بالائے فلک ہیں......انھیں وحدت سے محبت تھی......نقادوں کی زمینی وزمانی وحدتیں ان کے نزدیک اضافی حیثیت رکھتی تھیں۔

انھیں علم دین اوراہل علم سے پیاربلکہ عشق تھاچنانچہ ان کی تمام نرینہ اولادکازیورعلم سے آراستہ وپیراستہ ہونااوران کی بچیوں کاحافظ قرآن ہونا پھردامادوں کاانتخاب بھی اسی مزاج اورطبیعت کوسامنے رکھ کرکرناان کی علم دوستی کاپتہ دیتی ہے......حقیقت یہ ہے کہ ان کاپوراگھرانہ ’’ایں خانہ ہمہ آفتاب

ست'' کا مصداق ہے......ان کے عزیز واقارب میں علم اور علماء کی پوری کہکشاں سجی اور بزم جمی ہوئی ہے......جدھر دیکھئے آسمان علم کے ستارے جھلملاتے ہیں......نظر جس سمت اٹھ جائے وارثان انبیاء نظر آتے ہیں۔

آپ نے بھٹکل میں نصاب تعلیم سے فارغ ہوکر دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کا رخ کیا جہاں علم اور علماء کی ایک بزم موجود تھی......چنانچہ حضرت مولانا اسباط کی علمیت کے چرچے تھے تو لغت عربی کے ماہر حضرت مولانا عبدالحفیظ بلیاویؒ بھی وہیں تھے......شیخ الحدیث مولانا محمد اسحاق سندیلویؒ خواص کا مرجع تھے تو حضرت مولانا اویس نگرامی کے قصے زبان زد......مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اوران کے خاندان کے کئی اہل علم کا طوطی بولتا تھا گویا مولانا نے ندوۃ العلماء کا وہ دور پایا اور اپنی آنکھوں سے دیکھا جب قال بھی تھا......حال بھی، جب درس بھی تھا......تدریس بھی......جب علم بھی تھا عمل بھی......جب قوس بھی تھا قزح بھی......جب فن بھی تھا......ماہرین بھی......جب جام وسندان بھی تھا......جہاںِ مسند آرائے دیوان معنیٰ بھی تھے......تازہ رویان گلشن بھی......جہاں بلبلان باغ ارم وتارطرۂ سنبلستان خلد کی جلوہ سامانی تھی......جہاں کو کبۂ آرائے تجلی کی تجلی تھی......جہاں تشنہ کامان علوم کی تسلی تھی......جہاں مریضان محبت کی تشفی تھی......جہاں سخن پرستان باغ وبہار کا جھرمٹ تھا اوراسی جھرمٹ میں بلبلان چمن کو گل گشتی کے بیش بہا سروسمن مہیا تھے......تو پھر حضرت مولانا محمد غزالی خطیبی ندوی بھٹکلیؒ اس روح پرور وروح افزا ماحول سے کیونکر معطر ومعنبر نہ ہوتے ہوئے اور جم کر ہوئے......اڑے اور خوب اڑے یہاں تک کہ ملکوں کی سرحدوں نے ان کا دامن نہیں تھاما......ملکوں ملکوں گھوم کر مخلوق کی اصلاح اوران کے آنے والے کل کی تعمیر کے لئے'' کارمفوض''انجام دئے۔

مولانا محمد صدر عالم نعمانی نے آپ کے بارے میں جو نقشہ کھینچا ہے بالکل سچ ہے:

''مولانا کی شخصیت حسن وخوبی کے رنگارنگ پھولوں کا حسین گلدستہ تھی، علم وعمل، اخلاص وللّٰہیت، بزرگوں سے نسبت فقاہت ونجابت اور حق گوئی وراست بازی، آپ کے اوصافِ حمیدہ تھے......جس میں بہت نمایاں وصف حسن عمل، تبلیغ ودعوت اور جہد مسلسل تھا......آپ دیکھنے میں ایک عام انسان نظر آتے لیکن عادات اور صفات میں ملکوتی خصوصیات پائی جاتی تھیں......آپ صلاح وتقوی کی چلتی پھرتی تصویر تھے......اس لیے کہ آپ انسانی بلندی کے تمام معیاروں پر پورا اترتے تھے......اخلاص و بے نفسی اور بے غرضی ان کی زندگی کا جوہر اوران کے تمام اعمال ومساعی کا محرک تھا......مزاج میں

اعتدال تھا،طبیعت میں شرافت تھی...... چہرہ ہنس مکھ تھا،تصنع و بناوٹ سے کوسوں دور تھے،سب کو چاہتے ،سب سے محبت فرماتے ، ملاقاتیوں سے میٹھے بول بولتے ، ظاہر و باطن میں یکسانیت رکھتے ، آپ کے بیانات انتہائی مؤثر ہوتے ، سامعین کے دلوں تک رسائی کرتے ، گفتگو مربوط فرماتے ، بولتے تو گویا موتی برساتے ۔تواضع وانکساری اور شہرت پسندی سے ہمیشہ اجتناب کرتے ، بے حد محنتی تھے۔ مخلص و داعی تھے، عظیم مربی تھے، جذبہ صادق کے ساتھ دین کی خدمت اور اصلاحی دعوت کے لیے زندگی بھر کوشاں رہے''۔

ایک مؤمن کی مؤمنانہ زندگی جیسی گزرنی چاہئے مولانا نے بالکل ویسی ہی زندگی گزاری وہ کسی پر بار نہیں بنے،اپنے ہاتھوں سے کنواں کھود کر پانی پینے کا فن اور ہنر جانتے تھے،انھوں نے نوجوان نسل کوراہ راست پرلانے کے عدیم النظیر کارنامے انجام دئے،ان کی تقریر کا لہجہ رسیلا اوران کا انداز سجیلا تھا،لوگ ان کی باتیں بگوش ہوش سنتے تھے کیونکہ وہ زبان سے نہیں دل سے کہتے تھے اسی لئے پروں کے بغیر بھی پرواز کی طاقت حاصل تھی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:مَنْ کانَ آخِرُ کلامِہ لاالٰہ الااللّٰہ دخل الجنة (جس کی زندگی کا آخری کلمہ لاالٰہ الااللّٰہ ہوگا وہ جنت میں جائے گا)اس بارے میں بھی آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے قابل رشک معاملہ فرمایا چنانچہ حضرت مولانا عبدالمتین منیری نے آخری وقت کا جو منظر کھینچا ہے وہ ان ہی کی زبان میں یہ ہے:

''رمضان المبارک کی ۲۳ویں رات کوتراویح کے بعد مولانا محمد غزالی خطیبی صاحبؒ نے گھر والوں کو جمع کیا،اجتماعی دعا مانگی،جس میں عفو درگزر اور معافی کی طلب غالب تھی،تہجد پڑھی،سحری کے بعد آنکھ لگی تو سینے میں کچھ درد سا محسوس ہوا،بازو پر نیلاہٹ ابھرنے لگی ، بے چینی میں اہلیہ سے کہا کہ جلدی سے وضو کراؤ، اذان کا وقت ہوا چاہتا ہے،میں دو رکعت پڑھ لوں،ابھی وضو کرنہ پائے تھے کہ بلاوا آگیا، اللّٰھم اغفرلی کہتے،کلمہ طیبہ پڑھتے ،دیکھتے ہی دیکھتے روح قفس عنصری سے آزاد ہوگئی''۔

گر ہمہ روئے زمیں شد گل وگلزار چہ حظ
یار چوں نیست مرا با گل وگلزار چہ کار

اب مجھ جیسے ہزاروں لوگ لکھیں گے کہ محترم قاضی ابوبکر خطیبیؒ کے فرزند ارجمند،قاضی محمد احمد خطیبی کے برادر محترم،مولانا عبدالرب کے عم مکرم، مولانا عبدالسلام خطیب ندوی کے ماموں،مولانا عبدالعلیم

خطیب ندوی کے خال محترم اور مولانا ابوبکر صدیق خطیب ندوی کے والد ماجد، ندوۃ العلماء کے گوہر تابدار، علی میاں ندویؒ کے تلمیذ ہونہار، حضرت ڈاکٹر علی ملپاؒ کے مرید باصفا، حضرت مولانا عبدالباری ندوی کےؒ خلیفہ، حضرت مولانا محمد یعقوب مجددی بھوپالیؒ کے مسترشد خاص، حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلویؒ کے معتمد اور بے شمار علماء وصلحاء کی عقیدتوں کا محور، دعوت وتبلیغ کے اہم مبلغ اور داعی اور سرزمین بھٹکل کی خدارسیدہ برگزیدہ شخصیت حضرت مولانا محمد غزالی خطیبیؒ عمر عزیز کی ۷۷ر بہاریں دیکھ کر مولائے حقیقی سے جاملے۔ **اناللہ وانا الیہ راجعون**

لیکن اب جب حرماں نصیبیوں کا سایہ دراز ہو چکا ہے، جب یاس وقنوطیت اپنا گھیرا تنگ کرتے جارہے ہیں، انسانی ہجوم میں ''انسان'' عنقا ہو چکا ہے، ہم صرف کف افسوس ملتے اور آنسوؤں کا نذرانہ پیش کرتے یہ شعر گنگناتے رہتے ہیں ؎

کچھ یاس سے تسکین دل مضطر کو ہوئی تھی
پھر چھیڑ دیا زخم جگر ہائے تمنا

☆☆☆

زنا اب ہندوستان میں جرم نہیں

مولانا ڈاکٹر محمد نجیب قاسمی سنبھلی

ہندوستانی قوانین کے مطابق اب تک میاں بیوی کا کسی دوسرے شخص سے ناجائز تعلق جرم کے زمرے میں آتا تھا، لیکن سپریم کورٹ نے 27 ستمبر 2018 کو 157 سالہ ہندوستانی قانون (دفعہ 497) کو غیر آئینی قرار دے دیا۔ جس کے بعد شوہر کا دوسری عورتوں کے ساتھ ناجائز تعلق اور بیوی کا دیگر مردوں کے ساتھ ناجائز تعلق زنا نہیں کہلائے گا، یعنی اب بیوی جب چاہے شوہر کی مرضی کے بغیر کسی بھی مرد سے جنسی تعلقات قائم کرسکتی ہے، اور اسی طرح شوہر جس وقت چاہے کسی بھی عورت کے ساتھ جنسی تعلقات قائم کرسکتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی عورت کسی شخص کی کمپنی میں کام کرتی ہے تو وہ عورت اپنے باس کے ساتھ جہاں چاہے گھوم سکتی ہے اور جنسی تعلقات قائم کرسکتی ہے، باس کی بیوی کو اپنے شوہر یا اپنے شوہر کی کمپنی میں کام کرنے والی عورت کے خلاف قانونی طور پر بولنے کی اجازت نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کوئی عورت اپنی شوہر کی اجازت کے بغیر اپنے فیملی ڈرائیور سے جنسی تعلقات رکھنا چاہتی ہے تو شوہر کو منع کرنے کا حق نہیں ہے۔ اس سے قبل 6 ستمبر 2018 کو سپریم کورٹ نے 158 سالہ ہندوستانی قانون (دفعہ 377) کو غیر آئینی قرار دے کر یہ فیصلہ دیا تھا کہ مردوں یا عورتوں کا آپس میں جنسی تعلقات قائم کرنا جرم نہیں ہے، یعنی دو مرد یا دو عورتیں آپس میں بھی شادی کرسکتی ہیں۔ اِن دونوں فیصلوں کے جو اسباب بیان کیے گئے ہیں، اُن کا خلاصہ یہ ہے کہ موجودہ قوانین ہندوستان کی اُن قدیم روایات پر مبنی ہیں جن کے تحت عورت مرد کے تابع تھی۔ اب آزادی کا دور ہے، عورت شادی کرنے کے بعد شوہر کی غلام نہیں بن جاتی، بلکہ وہ شادی کرنے کے باوجود کسی بھی مرد کے ساتھ جنسی تعلقات رکھنے کا مکمل حق رکھتی ہے خواہ اس کا شوہر اور اُس کے گھر والے اس کے لیے اجازت دیں یا نہ دیں، اسی طرح اس کے برعکس مرد بھی شادی کرنے کے باوجود کسی بھی دوسری عورت کے ساتھ جنسی تعلقات قائم کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ ہندوستان کی عدالت عظمیٰ کے یہ دونوں فیصلے ہندوستانی ثقافت اور انسانیت کے خلاف ہونے کی وجہ سے تمام مذہب کے ماننے والوں کی طرف سے ان کے خطرناک نتائج سے آگاہ کیا جارہا ہے کیونکہ اس کے بعد جہاں بے حیائی اور عریانیت میں اضافہ ہوگا، وہیں روزانہ گھر گھر میں جھگڑے بھی ہوں گے اور طلاق کے واقعات کثرت سے واقع ہوں گے۔ چند دنوں بعد 2 اکتوبر کو ریٹائر ہونے والے

سپریم کورٹ کے چیف جسٹس دیپک مشرا کے اہم مسائل پر جلد بازی کے فیصلے عمومی طور پر ہندوستانی ثقافت اور انسانیت کے خلاف قرار دیے جارہے رہیں۔

چیف جسٹس صاحب سے اگر کوئی یہ درخواست کرے کہ 2 اکتوبر 2018 کو ریٹائرمنٹ سے قبل ایک اور تاریخی فیصلہ سنا جائیں، جس کے بعد نہ صرف ملکی پیمانہ پر بلکہ عالمی پیمانہ پر ان کی شخصیت پر چرچا ہوگی، اور وہ یہ ہے کہ ہر ماہ عورت کو حیض کا خون آنا، 9 مہینے کا حمل ٹھہرنا، حالت نزاع کی کیفیت، بچے کی پیدائش کے وقت عورت جن خطرناک مراحل سے گزرتی ہے، بچے کو دودھ پلانا اور نومولود بچے کے تمام کام صرف عورت ہی کیوں انجام دیتی ہے؟ بلکہ اِن کاموں میں بھی برابری ہونی چاہئے کہ پہلے ایک مرتبہ یہ سارے کام مرد انجام دے پھر دوسری مرتبہ عورت انجام دے! ظاہر ہے ان کا جواب یہی ہونا چاہئے کہ یہ تو قدرت کا نظام ہے، تو ہم بھی یہی کہیں گے کہ یہ دونوں فیصلے بھی قدرت کے نظام کے خلاف ہیں۔

سیاسی جماعتوں اور ملی وقومی تنظیموں کو ہندوستانی قوانین کے ماہرین سے مشورہ کے بعد ان فیصلوں کے خلاف آواز اٹھانی چاہئے تاکہ ملک میں ہندوستان کی اکثر عوام کو سامنے رکھ قوانین بنائے جائیں، نہ کہ یورپ کے کلچر کو سامنے رکھ کر جہاں ماں باپ کی شناخت بھی ڈی ان اے کے ذریعہ کی جاتی ہے۔

امت مسلمہ کے تمام ہی مکاتب فکر قرآن وحدیث کی روشنی میں اِن دونوں فیصلوں سے بالکلیہ اختلاف رکھتے ہیں، یعنی ایمان وعمل کے اعتبار سے ادنی درجہ کا مسلمان بھی اِن اعمال کو حرام سمجھنے کے ساتھ ساتھ انسانیت کے ہی خلاف سمجھتا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ مختلف اسباب کی وجہ سے یہ دونوں گناہ بعض مسلمانوں میں بھی موجود ہیں۔ آیئے قرآن وحدیث کی روشنی میں زنا کی حرمت اور اس کے اسباب کو سمجھنے کی کوشش کریں تاکہ کم از کم ہم اپنے معاشرہ کو زنا جیسے گناہ سے پاک کرنے کی کوشش کریں۔

نکاح کے بغیر کسی مرد وعورت کا مباشرت (Intercourse) کرنا زنا کہلاتا ہے خواہ وہ طرفین کی اجازت سے ہی کیوں نہ ہو۔ اصل میں زنا نکاح کے بغیر مرد کی شرمگاہ کا عورت کی شرمگاہ میں داخل ہونے کا نام ہے لیکن میاں بیوی کے علاوہ کسی بھی مرد وعورت کا ایک دوسرے کو شہوت کی نظر سے دیکھنا یا ایک دوسرے سے جنسی شہوت کی بات چیت کرنا یا ایک دوسرے کا تنہائی میں ملنا یا ایک دوسرے کو چھونا یا بوسہ لینا بھی حرام ہے۔ ان افعال کو بھی سارے نبیوں کے سردار حضور اکرم ﷺ نے زنا کی ایک قسم قرار دیا ہے، اگرچہ ان افعال کی وہ سخت سزا نہیں ہے جو اصل زنا کی ہے۔ قتل، ظلم، جھوٹ، دھوکہ دھڑی اور

چوری کی طرح زنا بھی ایک ایسا جرم عظیم ہے کہ تمام مذہب میں نہ صرف سختی کے ساتھ اس بڑے گناہ سے منع کیا گیا ہے، بلکہ زنا کرنے والے مرد وعورت کے لیے سخت سے سخت سزا بھی متعین کی گئی ہے۔ نہ صرف اسلام بلکہ عیسائی اور یہودی مذہب میں بھی اس جرم عظیم کے مرتکبین کی سزا رجم (سنگ باری) ہے۔ یہ ایسا بڑا گناہ ہے کہ دنیا میں اس سے زیادہ بڑی سزا کسی دوسرے جرم کی متعین نہیں کی گئی کیونکہ دنیا کے وجود سے لے کر آج تک تمام انسانی معاشروں نے اس جرم عظیم پر نہ صرف لعنت بھیجی ہے بلکہ ایسے اعمال سے بچنے کی تعلیم بھی دی ہے جو زنا کی طرف لے جانے والے ہوں۔

انسانی فطرت بھی خود زنا کی حرمت کا تقاضا کرتی ہے ورنہ انسان جس کو اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات بنایا ہے وہ جانوروں کی صف میں کھڑا ہو جائے گا۔ دنیا کی بقا بھی اسی میں ہے کہ زنا کو حرام قرار دیا جائے اور اس کے مرتکبین کو عبرت ناک سزا دی جائے۔ تمام پرندوں، چرندوں، درندوں اور اللہ کی دیگر مخلوقات پر حکومت کرنے والے حضرت انسان محض جنسی شہوت کو پورا کرنے کے لیے یہ دنیاوی زندگی گزارنے لگے کہ جب چاہا اور جس سے چاہا لطف اندوز ہو گیا تو انسانی تمدن ہی ختم ہو جائے گا کیونکہ مرد وعورت میں نکاح کے عمل کے بعد صحبت کے نتیجہ میں اللہ کے حکم سے اولاد پیدا ہوتی ہے، ماں باپ اسے اپنی اولاد اور مستقبل کا سہارا سمجھ کر ان کے لیے تمام دشواریوں اور پریشانیوں کو برداشت کرتے ہیں، ان کی تعلیم وتربیت کا انتظام کرتے ہیں، نیز دوسروں کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کس کا بچہ یا بچی ہے تو رشتہ داری بنتی ہے اور پڑوس بنتا ہے، جس سے ایک دوسرے کے حقوق معلوم ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے ایک معاشرہ بنتا ہے۔ اگر انسانوں کو بھی جانوروں کی طرح آزاد چھوڑ دیا جاتا تو انسانی تمدن کا خاتمہ ہو کر یہ دنیا بہت پہلے ہی ختم ہو چکی ہوتی۔

اسلام نے صرف زنا کو حرام نہیں قرار دیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ زنا کے پاس بھی نہ بھٹکو۔ وہ یقینی طور پر بڑی بے حیائی اور بے راہ روی ہے۔ (سورۃ الاسراء 32) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے زنا کو فاحشہ قرار دیا ہے۔ سورۃ الانعام آیت 151 میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بے حیائی (فواحش) کے کاموں کے پاس بھی نہ بھٹکو، چاہے وہ بے حیائی کھلی ہوئی ہو یا چھپی ہوئی۔ سورۃ الاعراف آیت 33 میں اللہ تعالیٰ فواحش یعنی بے حیائی کے کاموں کو حرام قرار دے کر ارشاد فرماتا ہے: کہہ دو کہ میرے رب نے تو بے حیائی کے کاموں کو حرام قرار دیا ہے، چاہے وہ بے حیائی کھلی ہوئی ہو یا چھپی ہوئی۔ سورۃ الفرقان آیت 67 میں ایمان والوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اور وہ نہ زنا کرتے

ہیں۔ جو شخص بھی یہ کام کرے گا اُسے اپنے گناہ کے وبال کا سامنا کرنا پڑے گا۔ قیامت کے دن اُس کا عذاب بڑھا کر دوگنا کر دیا جائے گا۔ اور وہ ذلیل ہو کر اُس عذاب میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔ فاحشہ کی جمع فواحش اور فاحشات آتی ہے۔ حدیث کی سب سے معتمد کتاب (صحیح بخاری) میں وارد احادیث میں سے چند احادیث پیش ہیں تاکہ موجودہ زمانہ میں پھیلتے ہوئے اس گناہ سے خود کا بچنا اور دوسروں کو بچانا ممکن ہو سکے۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کی شرطوں میں سے یہ ہے کہ علم اٹھ جائے گا، جہالت پھیل جائے گی۔ شراب پی جانے لگے گی اور زنا پھیل جائے گا۔ (بخاری) حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بندہ جب زنا کرتا ہے تو مومن رہتے ہوئے وہ زنا نہیں کرتا۔ (بخاری) یعنی ایمان کی نعمت اُس وقت چھین لی جاتی ہے یا ایمان کا تقاضا ہے کہ کوئی بھی شخص زنا نہ کرے یا وہ شخص کامل مؤمن نہیں جو زنا کرے۔

زنا اور فحاشی کے اسباب:

نامحرم کو بلا وجہ دیکھنا: حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آنکھوں کی زنا بدنظری ہے، اور کانوں کا زنا غلط بات سننا ہے، اور زبان کا زنا غلط بات بولنا ہے، اور ہاتھ کا زنا غلط چیز کو پکڑنا ہے، اور پیر کا زنا برے ارادے سے چلنا ہے، اور دل خواہش اور تمنا کرتا ہے اور پھر شرمگاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔ (بخاری)

غیر محرم کے ساتھ باتیں کرنا: اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں عورتوں کو حکم دیا کہ اگر انہیں کسی وقت غیر محرم مرد سے گفتگو کرنے کی ضرورت پیش آئے تو اپنی آواز میں لوچ اور نرمی پیدا نہ ہونے دیں، اور نہ ہی الفاظ کو بنا سنوار کر باتیں کریں۔ ارشاد باری ہے: اور نہ ہی چبا کر باتیں کرو کہ جس کے دل میں روگ ہو وہ تمنا کرنے لگے۔ اور تم معقول بات کرو۔ (سورۃ الاحزاب 4) عورت کی آواز اگرچہ ستر نہیں ہے، یعنی ضرورت کے مطابق عورت غیر محرم سے بات کر سکتی ہے مگر اس حقیقت کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے فطری طور پر عورت کی آواز میں کشش رکھی ہے۔ اسی لیے عورت کو فقہاء نے اذان دینے سے منع کیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اس بات سے منع کیا کہ مرد اپنی بیوی کے علاوہ کسی دوسری عورت کے سامنے نرمی سے بات چیت کرے جس سے عورت کو مرد میں دلچسپی پیدا ہو جائے۔ (النہایہ) اِن دنوں سوشل میڈیا کے زمانے میں غیر محرموں سے چیٹنگ کرنا، مختلف فوٹو شیئر کرنا اور آن لائن بات چیت کرنا کافی عام ہو گیا ہے، لیکن یہ بہت خطرناک بیماری ہے، اس سے اپنے بچوں اور بچیوں کو حتی الامکان محفوظ رکھنے کی کوشش کرنا ضروری ہے کیونکہ یہی وہ راستے ہیں جن کے ذریعہ ایسے واقعات پیش آجاتے ہیں جن سے نہ

صرف گھر اور خاندان کی بدنامی ہوتی ہے بلکہ آخرت میں بھی دردناک عذاب ہوتا ہے۔

تاخیر سے شادی: حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے نوجوانو! جو تم میں سے جسمانی اور مالی استطاعت رکھتا ہے وہ فوراً شادی کرلے کیونکہ شادی کرنے سے نگاہوں اور شرمگاہوں کی حفاظت ہوجاتی ہے۔(بخاری)

اِن دنوں کالج اور یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرنے کی وجہ سے شادی میں عموماً تاخیر ہوتی ہے۔لیکن پھر بھی ہمیں حتی الامکان بچوں اور بچیوں کی شادی میں زیادہ تاخیر نہیں کرنی چاہئے۔

اجنبی مرد وعورت کا اختلاط: حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب عورت گھر سے باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کی تاک میں رہتا ہے۔(ترمذی) اسی طرح حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب اجنبی مرد وعورت ایک جگہ تنہائی میں جمع ہوتے ہیں تو ان میں تیسرا شخص شیطان ہوتا ہے، جو اُن کو گناہ پر آمادہ کرتا ہے۔(مسند احمد)

اِن دنوں اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں مشترک تعلیم کی وجہ سے اجنبی مرد وعورت کا اختلاط بہت عام ہوگیا ہے۔ نیز خواتین کا ملازمت کرنے کا مزاج دن بدن بڑھتا جارہا ہے۔خواتین یقیناً شرعی پابندیوں کے ساتھ قرآن وحدیث کی تعلیم کے ساتھ دنیاوی علوم حاصل کرسکتی ہیں، اسی طرح ملازمت اور کاروبار بھی کرسکتی ہیں۔لیکن تجربات سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں رائج موجودہ تعلیمی نظام اور دفاتر میں کام کرنے والی بے شمار خواتین جنسی استحصال کی شکار ہوتی ہیں۔میرے کہنے کا مقصد یہ نہیں کہ ہم اپنی بچیوں کو اعلیٰ تعلیم نہ دلائیں یا خواتین کا ملازمت کرنا حرام ہے، لیکن زمینی حقائق کا ہم انکار نہیں کرسکتے۔ اس لیے بچوں اور بچیوں کی تعلیم کے لیے حتی الامکان محفوظ اداروں کو اختیار کریں کیونکہ بہرحال اس دنیا کو الوداع کہہ کر ایک دن اللہ کے سامنے کھڑے ہوکر دنیاوی زندگی کا حساب دینا ہے۔

بے پردگی کا نتیجہ

مفتی مرغوب الحسن مظاہری

آج کل بے حیائی کا بازار گرم ہے، بے حیائی بے پردگی اس قدر عام ہو چکی ہے اور ایسے ایسے واقعات سننے میں آتے ہیں کہ اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا، اِدھر کچھ دنوں سے زیادہ ہی ایسے واقعات ہو رہے ہیں ہمارے ایک کرم فرما جو بڑے دیندار ہیں علماء کی بڑی خدمت کرتے رہتے ہیں، صوم وصلوٰۃ کے پابند ہیں، لیکن ان کی ایک بہن ہے ایک غیر مسلم سے اس کا تعلق ہو گیا ہے بس اسی سے شادی کرنے کے لیے رَٹ لگی پڑی ہے کہ شادی کروں گی تو اُسی سے، بیچارے بڑے پریشان ہیں وہ کیا کر سکتے ہیں، اصل میں بے پردگی جہاں بھی ہوگی اپنا اَثر دکھائے گی، زہر کوئی بھی کھائے اس کا اَثر ہو کر رہے گا۔

دیندار گھرانوں میں بھی اگر بے پردگی ہوگی تو فساد ہوگا۔ یہ سب بے پردگی کا نتیجہ ہے لیکن اس کے باوجود لوگوں کی آنکھیں نہیں کھلتیں، خواہش کا بھوت ایسا ہوتا ہے کہ آدمی اپنی اولاد تک کو چھوڑ دیتا ہے، کئی واقعات ایسے ہیں کہ عورت کا اجنبی مرد سے تعلق ہوا وہ اپنے شوہر تک کو قتل کرنے کو تیار ہو گئی، یہ بھوت ایسا ہوتا ہے کہ جو بھی اس میں رکاوٹ بنے گا وہ اُس کو دور کرے گا، بھائی ہو باپ ہو شوہر ہو کسی کی پروانہ ہوگی۔

فتنہ کا زمانہ ہے اللہ حفاظت فرمائے شریعت کے خلاف جب کام ہوگا اُس کا یہی نتیجہ ہوگا۔



سچ کا نتیجہ

شیخ سعدی شیرازی

ندی کنارے ایک لکڑ ہارا سوکھے درخت کو کلہاڑی سے کاٹ رہا تھا۔ اچانک کلہاڑی اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر ندی میں جا گری۔ لکڑ ہارے کو بہت افسوس ہوا اور رنجیدگی کے عالم میں وہ خدا کے حضور سجدہ ریز ہو کر گڑ گڑا کر التجا کرنے لگا۔

"خدائے کریم! میرے غریب کے حال پر رحم فرما، تجھے علم ہے کہ میں سوئی تک تو خرید نہیں سکتا۔ کلہاڑی کیسے خریدوں گا؟ بغیر کلہاڑی لکڑیاں کیسے کاٹوں گا؟ لکڑیاں نہ کاٹیں تو روٹی کہاں سے کھاؤں گا؟ میں اور میرے بچے بھوکے مر جائیں گے۔

لکڑ ہارے کی فریاد ابھی ختم نہ ہوئی تھی کہ ندی کی لہروں میں ہلچل پیدا ہوئی۔ لہروں سے ایک فرشتہ نمودار ہوا اور اس نے کہا۔" کیا یہ سونے کی کلہاڑی تمہاری ہے؟

لکڑ ہارے نے جواب دیا۔" جی نہیں۔ مفلس و نادار کا اس کلہاڑی سے کیا واسطہ؟

جواب سن کر فرشتہ نے ندی کی لہروں میں غوطہ لگایا اور پھر تھوڑی دیر بعد نمودار ہو کر کہنے لگا۔" کیا یہ چاندی کی کلہاڑی تمہاری ہے؟

لکڑ ہارے نے پھر انکار کر دیا۔ فرشتہ پھر ندی میں غائب ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد نمودار ہو کر کہنے لگا۔" کیا یہ لوہے کی کلہاڑی تمہاری ہے؟

"ہاں جناب! یہی میری کلہاڑی ہے۔ آپ کی بڑی مہربانی۔

فرشتہ اس سچائی پر بہت خوش ہوا۔ لوہے کی کلہاڑی لکڑ ہارے کو دیتے ہوئے کہنے لگا۔" یہ سونے اور چاندی کی دونوں کلہاڑیاں بھی تمہیں سچ بولنے کا انعام دیا جاتا ہے۔

ہمیشہ سچ بولنا چاہیے۔ سچائی سے فائدہ ہوتا ہے، چاہے ذرا دیر سے ہو۔



خانۂ کعبہ

مولانا محمد نجیب قاسمی سنبھلی

بیت اللہ شریف اللہ تعالیٰ کا گھر ہے جس کا حج اور طواف کیا جاتا ہے۔ اس کو کعبہ بھی کہتے ہیں۔ یہ پہلا گھر ہے جو اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کے لئے زمین پر بنایا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ’’اللہ تعالیٰ کا پہلا گھر جو لوگوں کے لئے مقرر کیا گیا وہی ہے جو مکہ مکرمہ میں ہے جو تمام دنیا کے لئے برکت وہدایت والا ہے۔‘‘ (سورۃ آل عمران)

بیت اللہ مسجد حرام کے قلب میں واقع ہے اور قیامت تک یہی مسلمانوں کا قبلہ ہے۔ چوبیس گھنٹوں میں صرف فرض نمازوں کے وقت خانہ کعبہ کا طواف رکتا ہے باقی دن رات میں ایک گھڑی کے لئے بھی بیت اللہ کا طواف بند نہیں ہوتا ہے۔

بیت اللہ کی اونچائی ۱۴ میٹر ہے جبکہ چوڑائی ہر طرف سے کم وبیش ۱۲ میٹر ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کی ۱۲۰ رحمتیں روزانہ اس گھر (خانہ کعبہ) پر نازل ہوتی ہیں جن میں سے ساٹھ طواف کرنے والوں پر، چالیس وہاں نماز پڑھنے والوں پر اور بیس خانہ کعبہ کو دیکھنے والوں پر۔

اگر بیت اللہ کا قریب سے طواف کیا جائے تو سات چکر میں تقریباً ۳۰ منٹ لگتے ہیں، لیکن دور سے کرنے پر تقریباً ایک سے دو گھنٹے لگ جاتے ہیں۔

طواف زیارت (حج کا طواف) کرنے میں کبھی کبھی اس سے بھی زیادہ وقت لگ جاتا ہے۔

حدیث میں ہے کہ بیت اللہ پر پہلی نظر پڑنے پر جو دعا مانگی جاتی ہے وہ اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی سنت کے مطابق بیت اللہ شریف کو ہر سال غسل بھی دیا جاتا ہے۔

